بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

365 دن

(حصہ دوم)

نام کتاب: 365 دن (حصہ دوم)

ایڈیشن: اول

سن اشاعت: اپریل 2012ء

پرنٹر و پبلشرز: موید ایاز بلیک ایرو پرنٹرز لاہور

پیشکش: فاطمہ بیگم اہلیہ مکرم محمد منور عابد صاحب

65439 Flörsheim-Weilbach Germany

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم　　　نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھوالناصر

رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین

تعارف

سیّدی حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں ایک خادم نے خط لکھا تھا کہ ایسی جماعتوں کے لئے جہاں قرآن شریف، حدیث اور روحانی خزائن کا درس ہوتا ہے۔ ریسرچ سیل کی طرف سے سادہ زبان میں ترجمہ و تفسیر، احادیث اور روحانی خزائن کے درس تیار کر دیئے جائیں اور جو جماعتیں پسند کریں وہ اس میں سے پڑھ کر درس دے سکتے ہیں۔

حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اس تجویز کو پسند فرمایا اور ان درسوں کی تحریر پر شفقت اور حوصلہ افزائی بھی فرمائی۔ اس لئے حضور ایدہ اللہ کی اجازت سے یہ 3 ماہ کے لئے درس شائع کئے جا رہے ہیں۔ قرآن مجید کے درس فی مہینہ 26 کی تعداد میں ہیں کیونکہ جمعہ کے روز بالعموم درس نہیں دیا جاتا اور احادیث اور روحانی خزائن کے درس 13،13 کی تعداد میں ہیں کیونکہ وہ ہفتہ میں 3،3 دن پیش کئے جاتے ہیں۔ اس سے قبل اس کا پہلا حصہ شائع ہوا تھا اب اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے دوسرا حصہ احباب جماعت کی خدمت میں پیش ہے۔

جو احباب جماعت ان دروس سے فائدہ اٹھانا چاہیں وہ بخوشی ان سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس سلسلہ میں احباب سے درخواست دعا بھی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھوالناصر

رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین

365دن

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھوالناصر

رب اغفر وارحم وانت خیر الراحمین

درس القرآن نمبر 79

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ بَلۡ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَهٗ كُنۡ فَیَكُوۡنُ (البقرۃ:118,117)

گزشتہ کچھ آیات سے بنی اسرائیل کی سرکشیوں اور نافرمانیوں کا ذکر کرتے ہوئے یہود کے ساتھ عیسائیوں کا ذکر بھی شروع ہے یہود کی غلط کاریوں کا تفصیلی ذکر پہلے ہو چکا ہے اور آئندہ بھی جاری ہے نصاریٰ کے ذکر کی وجہ سے ان کے عقیدہ کی بنیادی غلطی کا ذکر اور اس کی تردید اس آیت میں کی گئی ہے اور اس طرح ان کے اس دعویٰ کی تردید بھی کر دی ہے کہ جو شخص عیسائی نہ ہو وہ جنت میں نہیں جاسکتا، فرماتا ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ایک بیٹا بنالیا ہے سُبۡحٰنَهٗ مگر یہ تو عیسائی بھی مانتے ہیں اور مسلمان بھی مانتے ہیں کہ وہ ہر نقص سے، ہر عیب سے، ہر کمزوری سے پاک ہے۔ مگر بیٹا ہونا تو جنسی خواہشات کا تقاضا کرتا ہے جو ایک عیب ہے۔ بیٹا ہونا تو اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ باپ نے ایک دن مرنا ہے اس لئے اس کے بعد اس کے قائم مقام کی ضرورت ہے مگر خدا تو نہیں مرتا، بیٹا ہونا تو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ باپ کو اپنی زندگی میں بھی اپنے کاموں کے لئے مددگار کی ضرورت ہوتی ہے مگر خدا تعالیٰ کو تو کسی مددگار کی ضرورت نہیں۔ نہ صرف یہ کہ خدا میں یہ عیب، یہ کمزوریاں نہیں پائی جاتیں بَلۡ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ بلکہ جو کچھ آسمانوں میں ہے، جو کچھ زمین میں ہے اس کے کنٹرول میں ہے، اس کی ملکیت ہے، پھر اس کو بیٹا بنانے کی ضرورت کیا ہے؟ پھر اس پر یہ بات بھی صاف ہے کہ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوۡنَ کائنات کی ہر چیز اس کی فرمانبردار ہے، اس کے بنائے ہوئے قانون کی پابند ہے اس کے حکم کو ٹال نہیں سکتی، اس کے خلاف بغاوت نہیں کر سکتی، پھر اس کو بیٹے کی کیا ضرورت ہے؟

بَدِيۡعُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وہ آسمان اور زمین کو بغیر کسی سابق نمونہ کے پیدا کرنے والا ہے۔ انسان جو ایک عمارت بناتا ہے اس بنانے والے کو نقشہ بنانے والے کی ضرورت ہوتی ہے جس کے مطابق وہ عمارت بنائے مگر اتنی عظیم قدرت والے خدا کو جس نے آسمان وزمین کی بغیر کسی پہلے نمونہ کی موجودگی کے تخلیق کرلی، کیا وہ بھی کسی بیٹے کا محتاج ہوسکتا ہے؟ وَ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا جب وہ کسی چیز کا فیصلہ کرتا ہے فَاِنَّمَا یَقُوۡلُ لَہٗ کُنۡ فَیَکُوۡنُ تو وہ صرف اس کے متعلق حکم دیتا ہے کہ ایسا ہوجائے اور ویسے ہی ہو جاتا ہے وہ انسانوں کی طرح نہ کسی اینٹ سیمنٹ کا محتاج ہے نہ کسی مزدوروں کی اس کو ضرورت ہے۔ ایسے خدا کے متعلق کہنا کہ اس نے اپنی مدد کے لئے بیٹا بنالیا ہے، نادانی نہیں تو اور کیا ہے۔

درس القرآن نمبر 80

وَ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ (البقرۃ:119،120)

بنی اسرائیل کے اس اعتراض کے سلسلہ میں نبوت بنی اسماعیل میں کیوں چلی گئی اور الہام الٰہی کا سلسلہ بنی اسرائیل سے کیوں منقطع کر دیا گیا اس آیت میں فرماتا ہے یہ کوئی نئی بات نہیں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا علم نہیں رکھتے ان کا یہ وطیرہ ہے کہ یہ نبی جو اللہ تعالیٰ سے مکالمہ کا دعویٰ کرتا ہے اس کی کیا ضرورت ہے لَوْ لَا یُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اللہ تعالیٰ ہم سے براہ راست کیوں بات نہیں کرتا، کیوں ہم پر براہ راست کلام نازل نہیں ہوتا اَوْ تَاْتِیْنَاۤ اٰیَةٌ یا اگر ہم اس قابل نہیں تو کوئی عذاب کا نشان دکھا کر ہمیں ختم کیوں نہیں کر دیا جاتا كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ اس قسم کی باتیں پہلے انبیاء کے مقابلہ میں بھی کہی جاتی تھیں۔

حضرت موسیٰ کو کہا گیا تھا کہ تم نے ہمیں اس سرزمین میں پہنچانے کا وعدہ پورا نہیں کیا جو ایک زبردست نشان کے وعدہ کے طور پر تھا۔ حضرت مسیح ناصری سے بار بار کہا گیا کہ رومنوں سے آزادی دلوانے کا نشان تم نے نہیں دکھایا تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ موجودہ بنی اسرائیل کے دل جو رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کر رہے ہیں ان پہلے مخالفین کے دلوں کی طرح ہی ہیں ورنہ جہاں تک نشانوں کا تعلق ہے قَدْ بَیَّنَّا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یُّوْقِنُوْنَ یقین کرنے والے لوگوں کے لئے تو ہم نے خوب کھول کر روشن نشان دکھا دیئے ہیں اور ان کا یہ اعتراض کہ کلام آنحضرت ﷺ پر کیوں اترا، ہم پر جو بنی اسرائیل سے تعلق رکھتے ہیں کیوں نہیں اترتا، تو اے محمد صلی اللہ علیک اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا کہ ہم نے تمہیں اس حال میں بھیجا ہے کہ تم ہی اس بات کے حق دار تھے کہ تمہیں بھیجا جاتا۔ تم بَشِیْرًا بھی ہو، ماننے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کے لئے تمہیں بشارت دینے والا بنا کر بھیجا گیا ہے وَ نَذِیْرًا اور انکار کرنے والوں اور شرارت کرنے والوں کے لئے تمہیں ڈرانے والا بنا کر بھیجا گیا ہے وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ تمہارے لئے گھبرانے کے کوئی بات نہیں جو لوگ انکار اور شرارت کی راہ سے اپنے آپ کو دوزخی بنا رہے ہیں ان کے انکار کی ذمہ واری تم پر نہیں، تمہارا کام بشارت دینا اور انذار کرنا ہے۔

درس القرآن نمبر 81

وَ لَنۡ تَرۡضٰی عَنۡکَ الۡیَہُوۡدُ وَ لَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَہُمۡ ؕ قُلۡ اِنَّ ہُدَی اللّٰہِ ہُوَ الۡہُدٰی ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعۡتَ اَہۡوَآءَہُمۡ بَعۡدَ الَّذِیۡ جَآءَکَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ مَا لَکَ مِنَ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ ﴿﴾ اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ یَتۡلُوۡنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ ؕ اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ ؕ وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِہٖ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ (البقرۃ:121،122)

ان دو آیات پر بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور سرکشیوں کا مضمون (جس کی ایک بنیادی غرض یہ بتانا تھی کہ بنی اسرائیل سے نبوت کیوں بنی اسماعیل کی طرف منتقل کی گئی) تکمیل کو پہنچ رہاہے اور یہود اور نصاریٰ سے کش مکش کا مضمون نئے رنگ میں شروع ہو رہا ہے جس کا ذکر اگلی آیات میں آئے گا۔ ان آیات میں فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ ہرگز تم سے راضی نہ ہوں گے جب تک ان کی ملّت کی پیروی نہ کرے۔ حالانکہ یہ سیدھی سادی موٹی عقل کی بات ہے اِنَّ ہُدَی اللّٰہِ ہُوَ الۡہُدٰی کہ سچی حقیقی ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہدایت ہو، اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر انسانوں کی رہنمائی میں چلنا بے وقوفی نہیں تو اور کیا ہے؟

اب اے مسلمان اگر تم ان کی کھوکھلی خواہشات کی پیروی کرو بعد اس کے کہ ایک عظیم الشان علم تمہارے پاس اللہ کی طرف سے آچکا ہے تو پھر نہ تو اللہ کی طرف سے تمہارا کوئی دوست ہو گا، نہ کوئی مددگار۔ وہ عظیم الشان علم جو ہم نے تم کو دیا ہے وہ قرآن کی شکل میں اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰہُمُ الۡکِتٰبَ وہ لوگ جن کو ہم نے یہ کامل کتاب دی ہے یَتۡلُوۡنَہٗ حَقَّ تِلَاوَتِہٖ وہ اس کو پڑھتے بھی اس طرح ہیں جو اس کے پڑھنے کا حق ہے اور اس کی ہدایات و تعلیمات کی اس طرح پیروی کرتے ہیں جو اس کی پیروی کا حق ہے اُولٰٓئِکَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ یہ لوگ ہیں جو حقیقتاً اس کو مانتے ہیں محض لفظاً ماننے کا دعویٰ کرنا کافی نہیں وَ مَنۡ یَّکۡفُرۡ بِہٖ اور جو اس کا انکار کرتا ہے فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡخٰسِرُوۡنَ تو حقیقتاً وہ لوگ ہی نقصان اٹھانے والے ہیں۔

درس القرآن نمبر 82

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (البقرۃ:123،124)

جیسا کہ گزشتہ درس میں ذکر ہوا تھا اب بنی اسرائیل کے بارہ میں مضمون کا رنگ بدل رہا ہے اور یہ بیان شروع ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل سے نبوت کا انتقال بنی اسماعیل کی طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان سے کئے گئے وعدوں کے خلاف نہیں بلکہ اس کے مطابق ہے۔ مضمون کی تبدیلی کا اشارہ ان الفاظ کے دہرانے سے بھی ملتا ہے يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ کہ اے بنی اسرائیل میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہے۔

یہ الفاظ بنی اسرائیل کی سرکشیوں اور نافرمانیوں کے مضمون کے شروع میں بھی آیت 41 میں تھے اور اب اس مضمون کا رنگ بدلنے پر آیت 123 میں بھی ہیں۔

فرماتا ہے۔ یاد کرو میری اس نعمت کو جو میں نے تم پر کی اور اس بات کو بھی یاد کرو کہ تمام جہانوں میں تمہیں ایک فضیلت کا مقام دیا وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا اور اس دن سے ڈرو جب کوئی شخص قطعاً کسی دوسرے شخص کا قائمقام نہ ہو سکے گا وَ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ اور نہ اس سے کسی قسم کا معاوضہ قبول کیا جائے گا وَ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ اور نہ کوئی سفارش اسے فائدہ دے گی وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ اور نہ ان ان کی کوئی مدد کی جائے گی۔ اس آیت کا ایک اہم مقصد یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ دعویٰ کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اس لئے بخشے جائیں گے یا اس لئے کہ ان پر روحانی انعامات کا سلسلہ بند نہیں ہو سکتا، غلط فہمی ہے۔

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں:۔

”حقیقت یہ ہے کہ جب قومیں اپنے تنزل کے دور میں اعمال صالحہ کی بجا آوری میں کمزور ہو جاتی ہیں تو وہ شفاعتِ انبیاء پر زور دینے لگ جاتی ہیں........ جوں جوں انبیاء سے بُعد ہوتا جاتا ہے لوگ یہ کہنے لگ جاتے ہیں کہ ہم اپنے نبیوں کی شفاعت سے جنت میں چلے جائیں

گے ۔ چونکہ یہود بھی شفاعتِ انبیاء پر بھروسہ کر کے بیٹھے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کا اس آیت میں ردّ کیا ہے اور بتایا ہے کہ ان کا یہ خیال اُن کو کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اس لئے ابراہیمؑ ہماری شفاعت کریں گے یا ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سے ہیں اس لئے موسیٰؑ ہماری شفاعت کرینگے وہ غلطی پر ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 154 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 83

وَ اِذِ ابۡتَلٰۤی اِبۡرٰہٖمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّہُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ (البقرۃ:125)

جیسا کہ گزشتہ درس میں بیان ہوا بنی اسرائیل کی دونوں شاخوں یہود و نصاریٰ کے اس اعتراض کہ نبوت کا سلسلہ ان کی قوموں سے لے کر بنی اسماعیل میں منتقل کیوں کیا جبکہ وہ حضرت ابراہیم کے وارث ہیں اور حضرت ابراہیم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے ورثاء کے بارہ میں بشارتیں دی تھیں۔ اس اعتراض کے جواب میں بڑا زور دار جواب دیتا ہے کہ اوّل تو حضرت ابراہیم کو مفت میں ہی بلند مقام نہیں مل گیا تھا ان کے رب نے ان کو آزمایا تھا اور صرف ایک بات میں نہیں بلکہ کئی باتوں میں آزمایا ان کی ذات میں بھی ان کو آزمایا گیا ان کی بیوی کی ذات میں بھی ان کے بچوں کے ذریعے بھی فَاَتَمَّہُنَّ اور حضرت ابراہیمؑ نے ان سب کو پورا کر دیا ہر ابتلاء اور امتحان میں وہ کامیاب اترے۔

مگر یہ بنی اسرائیل جو اپنی محرومی کا شکوہ کرتے ہیں ہر امتحان میں ناکام اتر رہے ہیں، فرمایا ہے۔ حضرت ابراہیم کو بشارت ملی کہ میں تم کو امام بنانے والا ہوں۔ چنانچہ آج کی دنیا کی غالب اکثریت یہودی بھی، نصاریٰ بھی، مسلمان بھی ان کو اسوہ اور مقتداء تسلیم کرتے ہیں مگر انہوں نے خود دعا کی تھی وَ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ کہ میری نسل میں بھی یہ سلسلۂ امامت جاری رہے تو اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرما دیا تھا لَا یَنَالُ عَہۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ کہ میرا یہ عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔ اس لئے یہ کہنا کہ حضرت ابراہیم کی نسل سے ہونے کی وجہ سے حضرت ابراہیم سے کئے گئے وعدوں میں حصہ دار ہیں، بالکل غلط خیال ہے۔ یہ بنی اسرائیل ظالم ہو چکے ہیں۔ نصاریٰ اللہ تعالیٰ کے بارہ میں ظالم ہو چکے ہیں کیونکہ شرک سے بڑا ظلم کوئی نہیں جس کے وہ مرتکب ہیں اور ایک کمزور انسان کو خدا بنائے بیٹھے ہیں اور یہودی بھی ظالم ہو چکے ہیں جو حقوق انسانی تلف کرنے کے مرتکب ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ابراہیمی وعدے صرف بنی اسرائیل کے لئے نہیں تھے، حضرت ابراہیم کی تمام اولاد سے تھے اور بنی اسماعیل بھی حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں بلکہ ان کے بڑے بیٹے کی اولاد ہیں جو بائبل کی رو سے زیادہ بلند مقام رکھتا ہے اس لئے یہ اعتراض ہی غلط ہے کہ ابراہیم کی اولاد کو ان وعدوں سے محروم کیا جارہا ہے جو حضرت ابراہیمؑ سے کئے گئے تھے۔

درس القرآن نمبر 84

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (البقرۃ:126)

بنی اسرائیل کے اس اعتراض کا ہم حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں اور ابراہیمی وعدوں کی وجہ سے صرف ہم ہی نبوت کے مستحق ہیں جواب جاری ہے کہ بنی اسماعیل اور مکہ اور بیت اللہ حضرت اسماعیلؑ کے ذریعہ حضرت ابراہیمؑ کا ورثہ ہے۔ یہاں بنی اسماعیل اور مکہ اور اسلام کے ابراہیمی ورثہ ہونے کی ایک زبردست دلیل بنی اسرائیل کے مقابلہ میں یہ دی ہے کہ بنی اسرائیل کا جو قبلہ بائبل کی رو سے حضرت موسیٰؑ نے مقرر کیا تھا یعنی کوہ عیبال پر اس کا بھی حضرت ابراہیمؑ سے کوئی تعلق بنی اسرائیل کی اپنی کتابوں یا روایات سے ثابت نہیں ہوتا اور پھر بعد میں جب موسوی شریعت کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنی اسرائیل نے یروشلم کو قبلہ بنا لیا اس کا بھی کوئی تعلق حضرت ابراہیمؑ سے بنی اسرائیل کی کتابوں اور روایات میں ثابت نہیں۔

مگر وہ بیت اللہ جو مکہ میں ہے جو رسول اللہ ﷺ کا قبلہ ہے وہ ابراہیمی یادگار ہے اور اسی وجہ سے مَثَابَةً لِّلنَّاسِ یعنی لوگوں کے بار بار اکٹھے ہونے کا مقام ہے اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی وجہ سے امن کا مقام ہے اور یہ وہ مقام ہے ابراہیمی تعلق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اس کو نماز کی جگہ بناؤ اور حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ دونوں کو اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی تھی کہ یہ میرا گھر ہے اس کی روحانی اور ظاہری صفائی کا سامان کرو کیونکہ ساری دنیا سے یہاں طواف کرنے والے بھی آئیں گے، اعتکاف کرنے والے بھی آئیں گے، رکوع و سجود کے ذریعہ عبادت کرنے والے بھی آئیں گے مگر بنی اسرائیل کے کسی قبلہ کو خواہ یہود کا قبلہ ہو یا نصاریٰ کا قبلہ ہو یہ ابراہیمی تعلق حاصل نہیں تم تو اپنے قبلوں کے متعلق ایسا کوئی دعویٰ بھی نہیں کرتے۔

اس آیت کا لفظی ترجمہ یہ ہے اور جب ہم نے اپنے گھر کو لوگوں کے بار بار اکٹھا ہونے کی اور امن کی جگہ بنایا اور ابراہیم کے مقام میں نماز کی جگہ پکڑو اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکید کی کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں (اور) سجدہ کرنے والوں کے لئے خوب پاک صاف بنائے رکھو۔

درس القرآن نمبر 85

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ

(البقرۃ:127)

بنی اسرائیل کے اس اعتراض کے جواب میں کہ ابراہیمی وعدوں کی وجہ سے نبوت بنی اسرائیل میں ہونی چاہئے بنی اسماعیل میں سے نبی کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ گزشتہ آیت میں یہ جواب دیا تھا کہ بیت اللہ اور مکہ اور بنی اسماعیل بھی ابراہیمی وعدوں کے وارث ہیں اور بیت اللہ اور مکہ مقام ابراہیم ہیں جبکہ تم خود اپنے قبلہ کو خواہ وہ کوہ عیبال پر ہو، خواہ یروشلم میں ہو ابراہیمی قبلہ نہیں کہتے تو اس کے جواب میں بنی اسرائیل یہ کہہ سکتے تھے کہ کس طرح معلوم ہو کہ یہ مقامات ابراہیم اس مقام پر آئے تھے اور انہوں نے مکہ شہر کے لئے دعا کی تھی کہ یہ بَلَدًا بن جائے یعنی شہر بن جائے جبکہ اس وقت یہ جگہ ویرانہ تھی اور اٰمِنًا شہر بن جائے، پرامن شہر ہو اور امن دینے والا شہر ہو اور تیری دعا یہ تھی کہ تازہ بتازہ پھل اس شہر کے رہنے والوں کو ملتے رہیں۔

اب دیکھو کہ وہ ویرانہ دنیا کے معروف شہروں کی شکل اختیار کر گیا اور امن والا شہر بن گیا جس دور میں سارا عرب جنگوں اور لوٹ مار کرنے والوں کی آماجگاہ تھا اس وقت بھی مکہ کے شہر پر کوئی دشمن بھی نظر اٹھا کر نہیں دیکھتا تھا اور پھر اسی ویرانہ میں دنیا کے کناروں سے آم اور انگور اور اناس آتے ہیں۔ اور فرمایا کہ ان نعمتوں سے صرف ایمان لانے والے نہیں بلکہ منکرین بھی فائدہ اٹھائیں گے۔

اس آیت کا لفظی ترجمہ اس طرح ہے اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ابراہیم نے کہا تھا کہ اے میرے رب اس جگہ کو پرامن شہر بنادے اور اس کے باشندوں میں سے جو بھی اللہ اور آنے والے دن پر ایمان لائیں انہیں ہر قسم کے پھل عطا فرما اس پر اللہ نے فرمایا اور جو شخص کفر کرے اسے بھی میں تھوڑی مدّت کے لئے فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے مجبور کر کے دوزخ کے عذاب کی طرف لے جاؤں گا اور یہ بہت برا انجام ہے۔

درس القرآن نمبر86

وَ اِذۡ یَرۡفَعُ اِبۡرٰہٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَیۡتِ وَ اِسۡمٰعِیۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ (البقرۃ:128)

ان آیات میں یہ مضمون چل رہا ہے کہ بنی اسرائیل اگر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل حضرت ابراہیمؑ کے سچے وارث ہونے کی وجہ سے ان وعدوں کے وارث ہیں جو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے کئے تھے تو ان آیات میں یہ مضمون ہے کہ حضور ﷺ اور بیت اللہ اور اسلام حضرت ابراہیمؑ کے حقیقی وارث ہیں اور حضرت ابراہیمؑ سے آنحضرت ﷺ بلند مقام رکھتے ہیں۔

بنی اسرائیل کے پاس نہ کوئی قبلہ ہے جس کی بنیادیں حضرت ابراہیمؑ نے اٹھائی ہوں، نہ کوئی ابراہیمی دعا ہے جو صرف بنی اسرائیل کے لئے ہو، نہ کوئی وعدہ ہے جو صرف بنی اسرائیل کے لئے محدود ہو، بلکہ جہاں بنی اسرائیل کے لئے وعدے ہیں وہاں بنی اسماعیل کے لئے بھی زبردست وعدے ہیں اور بنی اسرائیل کی کتاب میں اسرائیلی قبلہ کے لئے حضرت ابراہیم کے کسی کام کرنے کا کوئی ذکر نہیں جبکہ عربوں کی روایات میں اور قرآن شریف میں حضرت ابراہیمؑ کے حضرت اسماعیل کے ساتھ مل کر بیت اللہ کی تعمیر کا ذکر ہے۔

بنی اسرائیل کی کتب میں جو حضرت ابراہیم کی بنی اسرائیل کے اس قسم کی دعا کا ذکر نہیں جو بنی اسماعیل کے لئے پائی جاتی ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب ابراہیم اس خاص گھر کی بنیادوں کو استوار کر رہا تھا اور اسماعیل بھی یہ دعا کرتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمارے طرف سے قبول کر لے یقیناً تو ہی بہت سننے والا اور دائمی علم رکھنے والا ہے۔ اور اے ہمارے رب ہمیں اپنے دو فرمانبردار بندے بنادے بنادے اور ہماری طرف سے قبول کر لے۔ یقیناً تو ہی بہت سننے والا اور دائمی علم رکھنے والا ہے۔ اور اے ہمارے رب ہمیں اپنے دو فرمانبردار بندے بنادے اور ہماری ذریت میں سے بھی اپنی ایک فرمانبردار امت پیدا کر دے اور ہمیں اپنی عبادتوں اور قربانیوں کے طریق سکھا اور ہم پر توبہ قبول کرتے ہوئے جھک جا۔ یقیناً تو بہت ہی توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

درس القرآن نمبر 87

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُزَكِّيۡهِمۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ (البقرۃ:129)

اس آیت میں یہ مضمون اپنے معراج پر پہنچتا ہے کہ بنی اسرائیل کا یہ اعتراض کہ نبوت ان سے چھین کر بنی اسماعیل میں کیسے جاسکتی ہے جبکہ بنی اسرائیل ابراہیمی وعدوں کے وارث ہیں۔ یہ اعتراض بالکل غلط ہے حضرت ابراہیمؑ نے تو ایک عظیم الشان نبی کے آنے کے متعلق دعا کی تھی اور اس کے معرکۃ الآراء کاموں کا اپنی دعا میں ذکر کیا ہے اور ان کاموں کو دیکھا جائے تو یہ کام کوئی بنی اسرائیلی کر ہی نہیں سکتا تھا مثلاً حضرت موسیٰ کا تابع بنی اسرائیلی نبی لازماً اپنی کتاب کے مطابق تعلیم دیتا اور اس دعا میں الکتاب یعنی کامل کتاب کے لئے دعا ہے جبکہ حضرت موسیٰ کی کتاب کامل کتاب نہیں تھی بلکہ نَصِيۡبًا مِّنَ الۡكِتَابِ یعنی کتاب کا کچھ حصہ تھی۔

بہر حال نبیوں کے سردار ﷺ کے بارہ میں حضرت ابراہیمؑ نے جو دعا کی تھی اس میں آپؐ کے چار عظیم الشان کام بیان کئے گئے ہیں۔

پہلا عظیم الشان کام: يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ ہے کہ وہ رسول میری آیات کو پڑھ کر سنائے گا، چنانچہ قرآن مجید کی آیات آپؐ پر نازل ہوئیں اور آپؐ نے ہر آیت پڑھ کر سنائی اور لکھوا بھی دی اور آیات کے دوسرے معنے کے لحاظ سے تمام احکامات جو اللہ کے حکم سے اترے، آپ ﷺ نے دنیا کو پہنچا دیئے۔

دوسرا عظیم الشان کام: ایک کامل شریعت کا سکھانا تھا جو تمام دنیا کے لئے واجب العمل ہو اور یہ کام بھی ہمارے نبی ﷺ احسن طور پر بجالائے اور جن کاموں کی عملی شکل دکھانا مقصود تھی اپنی سنت سے آپؐ نے کر کے دکھا بھی دیئے۔

تیسرا عظیم الشان کام: جو آپ ﷺ بجالائے وہ احکام اور شریعت کا فلسفہ اور حکمت تھا جو آپؐ نے دنیا کو سکھایا۔ سابقہ شریعتوں میں بعض دفعہ حکم دیا گیا مگر ان کی وجہ نہیں بتائی گئی۔ اور

چوتھا عظیم الشان کام: جو ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا اور جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے وہ حضور ﷺ کی قوت قدسیہ کے نتیجے میں روحانی پاکیزگی ہے جو امت محمدیہ میں آپؐ کی برکت سے پیدا ہوئی۔

درس القرآن نمبر88

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِی الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (البقرۃ:131،132)

جس طرح ایک حق اور صداقت پر قائم فوج کسی ظالم فوج کے حملہ کو روکتی ہے دفاع کرتی ہے پھر دفاع کرنے کے بعد اور دشمن کے حملے کو روکنے کے بعد جوابی حملہ کرتی ہے اور دشمن کے علاقہ کی طرف پیش قدمی کرتی ہے اسی طرح قرآن شریف میں پہلے بنی اسرائیل کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ ابراہیمی وعدوں کے وارث بنی اسرئیل تھے اب ان آیات کے ساتھ ان کے اعتراضات کے مقابلہ میں جوابی حملہ کا مضمون شروع ہوتا ہے، فرماتا ہے۔

اور کون ابراہیم کی ملت سے اعراض کرتا ہے سوائے اس کے جس نے اپنے نفس کو بے وقوف بنایا۔ نادانی اور جہالت سے کام لیا کیونکہ تم بھی مانتے ہو وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِی الدُّنْيَا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو دنیا میں بھی چن لیا اور ہم مسلمان بھی یہ مانتے ہیں کہ وہ آخرت میں صالح لوگوں میں سے ہوگا اور خیر وبرکت یا دنیا کی ہے یا آخرت کی ہے۔

ہم دونوں فریقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ابراہیم کو دنیا میں خیر وبرکت حاصل تھی اور آخرت میں بھی وہ خیر وبرکت کا وارث ہوگا اب دیکھو کہ ابراہیم کی ملّت پر کون عمل کررہا ہے اس کے لئے پہلے دیکھو کہ ابراہیم کی ملّت کیا تھی، ابراہیم کا طریق عمل کیا تھا، ابراہیم کا طریق عمل یہ تھا اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ جب اس کے رب نے اس کو کہا اسلام لے آ۔ جس کے معنے ہیں کہ اپنی ساری قوتوں اور طاقتوں کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے اور اپنی گردن فرمانبرداری کے لئے رکھ دے، اپنی خواہش، اپنا ارادہ کچھ باقی نہ رہے۔ اب بتاؤ کہ کیا تم ابراہیم کے طریق پر اس پر عمل کررہے ہو، یا تم اپنے ارادوں، اپنی خواہشوں، اپنے ملکی رسم ورواج، قومی عادات اور شعائر کو مقدم کررہے ہو اور الٰہی قوانین اور فرمانوں کی اتنی پرواہ بھی نہیں کرتے کہ رسم و رواج یا سوسائٹی اور برادری کے اصولوں پر اللہ تعالیٰ کی باتوں کو مقدم کرلو تو پھر تم ابراہیمی ملّت پر عمل نہیں کررہے اور اگر ایسا ہے تو پھر تمہارا یہ دعویٰ کہ تم ابراہیم کی اولاد ہونے کی وجہ سے ابراہیمی وعدوں کے وارث ہو، بالکل غلط ہے۔

درس القرآن نمبر 89

وَ وَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرۃ:133،134)

بنی اسرائیل کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے گویا جوابی حملہ کرتے ہوئے اس آیت میں ارشاد فرماتا ہے کہ ابراہیم نے نہ صرف خدا تعالیٰ کے حکم پر اپنا تمام وجود سونپ دیا اپنی تمام طاقتیں، صلاحیتیں، استعدادیں خدا کی راہ میں لگا دیں، بلکہ اپنی اولاد کو بھی یہی وصیت کی۔ اس لئے اگر بنی اسرائیل اپنے آپ کو سلسلۂ نبوت کا حقدار سمجھتے ہیں کہ وہ ابراہیم کی وصیت پر عمل کر رہے ہیں؟

کیا وہ اسلام لائے ہیں جس کے معنے ہیں اپنے آپ کو اور اپنا سب کچھ خدا کو سونپ دینا اور پھر صرف حضرت ابراہیمؑ نہیں بلکہ یہ لوگ اپنے آپ کو بنی اسرائیل کہتے ہیں اور اسرائیل حضرت یعقوبؑ کا لقب ہے اور حضرت یعقوب نے بھی حضرت ابراہیمؑ کی طرح اپنی اولاد کو یہی وصیت کی تھی کہ اے میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یقیناً دین کو چن لیا ہے اس لئے تم نے مرنا نہیں مگر اسلام کی حالت میں جب کہ تم نے اپنے وجود کو پوری طرح خدا کو سونپ دیا ہو اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ کیا تم اس وقت موجود تھے اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ جب یعقوب پر موت آئی اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ جب اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ وہ کیا ہے جس کی تم میرے بعد عبادت کرو گے؟

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا انہوں نے کہا ہم عبادت کرتے رہیں گے تیرے معبود کی اور تیرے باپ دادا کے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی جو ایک ہی معبود ہے۔ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ اور ہم اس کو اپنا سب کچھ سونپنے والے ہیں۔ ان آیات میں زور دار الفاظ میں یہ مضمون بیان کیا ہے کہ جب تک بنی اسرائیل ایک خدا کو اپنا سب کچھ سونپ نہیں دیتے یہ دعویٰ نہیں کرسکتے کہ وہ ابراہیم و اسرائیل کی نسل ہونے کی وجہ سے روحانی انعامات کے وارث ہیں۔

درس القرآن نمبر 90

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ

(البقرة:135)

اس آیت میں بنی اسرائیل کے اس دعویٰ کا بڑا اصولی اور حکیمانہ جواب دیا ہے کہ ہم ابراہیم اور یعقوب کی اولاد ہونے کی وجہ سے ان وعدوں کے وارث ہیں جو ان سے کئے گئے تھے اور سلسلۂ نبوت صرف بنی اسرائیل میں جاری رہے گا، بنی اسماعیل میں نہیں جائے گا۔

یہ آیت اس طرف توجہ دلاتی ہے کہ ہر شخص اپنے کاموں کا پھل پائے گا۔ یہ امت حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ وہ تمام نبی جو بنی اسرائیل میں آئے ان کو ان کے کاموں کے پھل ملے اور اگلے جہان میں ملیں گے اور تمہارے لئے وہی ہے جو تم کماتے ہو۔ ان لوگوں کی نیکیاں تمہارے کام نہیں آئیں گی وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اگر تم ان کی نیکیوں سے ناجائز فائدہ اٹھانے پر مصرّ ہو تو کیا ان کے اعمال کی جواب دہی تم سے کی جائے؟ ظاہر ہے کہ تم ان لوگوں کے اعمال کے بارہ میں نہ پوچھے جاؤ گے جو انہوں نے کئے پھر تم ان کی نیکیاں اپنے کھاتہ میں کس طرح ڈال سکتے ہو۔

حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں:۔

"عام طور پر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کے اعمال ہمارے کام آجائیں گے اگر وہ نیک اور پارسا تھے تو ہم بھی اُن کی اولاد ہونے کی وجہ سے انہی کے ساتھ جگہ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس خیال کی تردید فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ اُن کے اعمال اُن کے ساتھ اور تمہارے اعمال تمہارے ساتھ۔ تم سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ تمہارے باپ دادا کیسے اعمال کرتے تھے۔ بلکہ یہ سوال ہو گا کہ تم کیا کرتے رہے۔ اگر یہ سوال ہونا ہوتا کہ تمہارے باپ دادوں نے کیا کیا تھا تو شاید تم بچ جاتے مگر سوال تو یہ ہو گا کہ تم نے کیا کیا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 207 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 91

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (البقرة:136)

مجھے یاد ہے کہ لندن یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران میں یونیورسٹی کے ایک کیفیٹیریا میں خاکسار ایک عیسائی نوجوان سے اسلام اور عیسائیت پر بات کر رہا تھا اور زیر بحث یہ بات تھی کہ عیسائیت کے عقائد تثلیث وغیرہ عقلاً درست نہیں بلکہ سمجھ میں نہیں آتے تو اس جوان نے جواب دیا کہ تم عیسائی ہو جاؤ تو وہ سمجھ آجائیں گے اس موقعہ پر اس نے انگریزی ضرب المثل جس کا مطلب یہ ہے کہ پڈنگ کا مزہ کھانے میں ہے تم پڈنگ کھا کر دیکھ لو۔ میں نے کہا اگر مجھے معلوم ہے کہ اس پڈنگ میں زہر ملایا گیا ہے تو میں اس کو کیوں کھاؤں۔

جو آیت ہم نے آج پڑھی ہے اس میں یہود اور نصاریٰ کی اس تکنیک کا ذکر ہے کہ وہ کہتے ہیں یہودی ہو جاؤ، عیسائی ہو جاؤ، تمہیں صحیح ہدایت مل جائے گی، سمجھ آجائے گی، فرماتا ہے۔ تم تو کہتے تھے کہ ابراہیم کا ورثہ ہم نے لیا ہے ہم ابراہیم کی ملّت پر قائم ہیں اور ابراہیمی وعدے ہمارے ذریعہ پورے ہونے چاہئیں قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا تو کیوں نہ ہم ابراہیم کی ملت کی پیروی کریں حَنِيْفًا جو سراسر موحّد تھا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا۔

مراد یہ ہے کہ اگرچہ تم دونوں فریق موحّد ہونے کا دعویٰ کرتے ہو، لیکن تمہارے عقائد صاف طور پر مشرکانہ ہیں۔ تم بیٹے اور روح القدس کو خدا باپ کی طرح خدا کہتے ہو، دونوں کو علم، مرتبہ، مقام، ارادہ، اختیار اور طاقت میں خدا باپ کے برابر سمجھتے ہو، ساتھ ہی یہ اعتقاد بھی رکھتے ہو کہ باپ، بیٹے، روح القدس میں حقیقی امتیاز اور تینوں حقیقتاً الگ الگ ہیں تو یہ شرک نہ ہوا تو اور کیا ہوا؟ اور یہود اگرچہ لفظاً توحید پر زور دیتے ہیں مگر ان کے شرک کی جو حالت تھی اس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام براہین احمدیہ میں اس طرح فرماتے ہیں:۔

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے وقت تک ہر یک قوم کی ضلالت اور گمراہی کمال کے

درجہ تک پہنچ چکی تھی اور کسی صداقت پر کامل طور پر ان کا قیام نہیں رہا تھا۔ چنانچہ اگر اول یہودیوں ہی کے حال پر نظر کریں تو ظاہر ہو گا کہ ان کو خدائے تعالیٰ کی ربوبیت تامہ میں بہت سے شک اور شبہات پیدا ہو گئے تھے اور انہوں نے ایک ذات رب العالمین پر کفایت نہ کر کے صدہا ارباب متفرقہ اپنے لئے بنا رکھے تھے یعنی مخلوق پرستی اور دیوتا پرستی کا بغایت درجہ ان میں بازار گرم تھا۔ جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حال قرآن شریف میں بیان کر کے فرمایا ہے اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ......(التوبۃ:31)"

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 463 بقیہ حاشیہ نمبر 11)

درس القرآن نمبر 92

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ (البقرۃ:137)

بنی اسرائیل کے اس اعتراض کے تفصیلی جواب کے بعد کہ نبوت کیوں بنی اسرائیل سے چھین لی گئی اب اسلام کی ان تمام سابقہ مذاہب کے مقابلہ میں ایک اعلیٰ درجہ کی خوبصورتی کا ذکر فرماتا ہے، جو بنی اسرائیل اور دیگر تمام نبیوں کو ماننے والوں پر زبردست حجت ہے کہ تم لوگ ایک یا دو یا تین نبیوں پر ایمان لاتے ہو یا ایک علاقہ یا ایک قوم و نسل یا ایک زبان بولنے والے نبیوں پر ایمان لاتے ہو۔

مگر اسلام کی یہ امتیازی خوبی اور خوبصورتی ہے کہ وہ تمام نبیوں اور رسولوں اور پیشوایان مذاہب پر ایمان لانا ضروری قرار دیتا ہے گویا ہر مذہب اپنے ماننے والوں کے ہاتھ میں ایک یا دو یا تین پھول پکڑواتا ہے مگر اسلام اپنے ماننے والوں کے ہاتھ میں ایسا گلدستہ پکڑاتا ہے جس میں دنیا بھر کے پھول موجود ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیا خوبصورت تشریحی ترجمہ اس آیت کا فرماتے ہیں:۔

"اے مسلمانو! تم اس طرح پر ایمان لاؤ اور یہ کہو کہ ہم اُس خدا پر ایمان لائے جس کا نام اللہ ہے یعنی جیسا کہ قرآن شریف میں اُس کی صفات بیان کی گئی ہیں وہ جامع تمام صفاتِ کاملہ کا ہے اور تمام عیبوں سے پاک ہے اور ہم خدا کے اُس کلام پر ایمان لائے جو ہم پر نازل ہوا یعنی قرآن شریف پر اور ہم خدا کے اس کلام پر بھی ایمان لائے جو ابراہیم نبی پر نازل ہوا تھا اور ہم خدا کے اس کلام پر ایمان لائے جو اسمٰعیل نبی پر نازل ہوا تھا اور اُس کلامِ خدا پر ایمان لائے جو اسحاق نبی پر نازل ہوا تھا اور اُس کلامِ خدا پر ایمان لائے جو یعقوب نبی پر نازل ہوا تھا اور اُس کلامِ خدا پر ایمان لائے جو یعقوب نبی کی اولاد پر نازل ہوا تھا اور اُس کلام خدا پر ہم ایمان لائے جو موسیٰ نبی کو دیا گیا تھا اور اُس کلام خدا پر ہم ایمان لائے جو عیسیٰ نبی کو دیا گیا تھا اور ہم اُن تمام

کتابوں پر ایمان لائے جو دُنیا کے کُل نبیوں کو اُن کے ربّ کی طرف سے دی گئی تھیں یعنی اس کی طرف سے جس نے کھلے کھلے طور پر اُن کی ربوبیت کی اور دنیا پر ثابت کیا کہ وہ اُس کا ناصر اور حامی اور مُربی ہے خواہ وہ کسی قوم یا کسی ملک میں پیدا ہوئے تھے۔ ہم خدا کے نبیوں میں تفرقہ نہیں ڈالتے جو بعض کو قبول کریں اور بعض کو ردّ کریں بلکہ ہم سب کو قبول کرتے ہیں جو خدا کی طرف سے دُنیا میں آئے اور ہم اس طرح پر جو خدا نے سکھایا ہے اسلام میں داخل ہوتے ہیں اور خدا کے آگے اپنی گردن ڈالتے ہیں۔"

(چشمۂ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 376،377)

درس القرآن نمبر 93

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ (البقرۃ:138)

گزشتہ سے پچھلی آیت میں یہود اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ بیان کیا گیا تھا کہ وہ مسلمانوں کو کہتے ہیں سچائی کو سمجھنا ہے اور ماننا ہے تو یہودی یا عیسائی بن کر دیکھو جس طرح انگریزی میں کہتے ہیں پڈنگ کا مزہ اس کے کھانے میں ہے۔ اگر یہودی یا عیسائی ہوگے تو تمہیں صداقت کا صحیح مزہ کا پتہ لگے گا۔

پچھلی آیت میں اس آیت کا ایک ٹھوس جواب مسلمانوں کی زبانی ان کو دیا گیا تھا کہ ان کو کہہ کہ ہم اللہ پر ایمان لا کر جس پر ایمان لانا دراصل تمام صداقتوں کی جڑھ ہے اس کلام پر بھی ایمان لاتے ہیں جو ابراہیم پر اتارا گیا، جو اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد پر اتارا گیا۔ ہم اس پر ایمان لاتے ہیں جو موسیٰ اور عیسیٰ اور تمام نبیوں کو دیا گیا۔ ہم ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ اس لئے تمہارا یہ کہنا ہی کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو سمجھ آئے گی مضحکہ خیز بات ہے۔ صحیح معنوں میں تو یہودی اور عیسائی ہم ہی ہیں اور پھر ہم نے اپنا سارا وجود، اپنی ساری صلاحیتیں اور استعدادیں اپنی جان، مال اور اولاد، اپنا سب کچھ خدا کے سپرد کر دیا ہے تو پھر حقیقی یہودی و عیسائی کون ہوا؟

اس آیت میں فرماتا ہے کہ تم ہم پر اعتراض کرتے ہو کہ تم نے جھگڑا اور شقاق پیدا کر دیا ہے، ڈیڑھ اینٹ کی الگ مسجد بنالی ہے۔ شقاق تو تم پیدا کر رہے ہو۔ مسلمانو! ان یہود و نصاریٰ کو کہہ دو کہ اگر تم ہماری طرح ایمان لاؤ جو صرف اپنے پر اترنے والے کلام پر ایمان نہیں لاتے بلکہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب ان کی اولاد پر اترنے والے کلام پر ایمان ہیں۔ ہم جو کچھ موسیٰ عیسیٰ اور سب نبیوں کو دیا گیا اس پر ایمان رکھتے ہیں ہم لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ہم ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے، فرق تو تم کرتے ہو شقاق تو تم پیدا کرتے ہو الزام ہمیں دیتے ہو فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ اتنی صاف، واضح صداقت سے تم انکار کر رہے ہو۔ یہ اللہ ہی تم سے نپٹے گا وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اور خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔

درس القرآن نمبر 94

صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ (البقرۃ:138)

اس مضمون کو ختم کرنے کے سے پہلے کہ بنی اسرائیل اعتراض کرتے ہیں کہ ان سے سلسلۂ نبوت کس طرح سے لے لیا گیا اور بنی اسماعیل میں منتقل ہو گیا اب ایک نصیحت دونوں قوموں کو اس آیت میں کی گئی ہے جو دونوں قوموں کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔

بنی اسرائیل کو تو کہا گیا ہے کہ تم چاہتے ہو کہ بپتسمہ لے کر تمہاری ملّت تمہارا مذہب اختیار کیا جائے۔ مگر اصل بپتسمہ تو وہ ہے جو صِبْغَةَ اللّٰهِ ہے۔ تم اس بپتسمہ کو اختیار کرو جو اللہ کا بپتسمہ ہے، جو طریق اللہ نے رسول اکرم ﷺ کو بھیج کر اور قرآن مجید کو نازل کر کے اصطباغ یعنی بپتسمہ کا بتایا ہے اور اس سے زیادہ خوبصورت بپتسمہ کون سا ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ سکھائے، ساتھ ہی مسلمانوں کو بلکہ ساری دنیا کو یہ تعلیم دی ہے کہ نیکی نام ہے اللہ کا رنگ اختیار کرنے کا۔ اللہ کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کا۔ اللہ کے اسماء حسنیٰ کا نقش اپنے اندر اتارنے کا۔

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً اور اللہ سے زیادہ خوبصورت اور کس کی صفات ہیں۔ بنیادی مقصد جو تخلیق کا ہے وہ عبادت کا ہے جیسا کہ اس بحث سے پہلے قرآن کے نزول کے بنیادی مقصد کے طور پر بیان کیا گیا تھا اور یہ مقصد حاصل ہو ہی نہیں سکتا جب تک اللہ کی صفات کا رنگ اپنے اوپر نہ چڑھایا جائے۔

یہ ہے عبادت کہ انسان خدا کی گویا نقل کرے۔ اگر خدا علیم ہے تو وہ بھی علم حاصل کرے۔ اگر خدا رحمان ہے، رحیم ہے، تو وہ بھی رحم کرے۔ اگر خدا حکیم ہے تو وہ بھی حکمت سے کام کرے۔ غرض ہم مسلمان جو خدا کی صفات اپنے اندر پیدا کرتے ہیں وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ہم ہی اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔

درس القرآن نمبر 95

قُلۡ اَتُحَآجُّوۡنَنَا فِی اللّٰہِ وَھُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّکُمۡ وَ لَنَآ اَعۡمَالُنَا وَ لَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ وَ نَحۡنُ لَہٗ مُخۡلِصُوۡنَ (البقرۃ:140)

بنی اسرائیل کے اس شکوہ کے جواب میں بہت سے ٹھوس دلائل کے بعد جب کہ یہ مضمون بدل کر قبلہ کے رخ کے بدلنے کا مضمون شروع ہو رہا ہے۔ ایک زبردست نکتہ اس مضمون کے متعلق اس آیت میں پیش فرماتا ہے جس کو حضرت مصلح موعودؓ نے بڑے عمدہ رنگ میں پیش فرمایا ہے، فرماتے ہیں:۔

"اس آیت میں کیا ہی لطیف دلیل دی ہے۔ فرماتا ہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ نے ہدایت صرف ہماری قوم میں محدود کر دی ہے اس کو ہم کب مان سکتے ہیں اگر کسی اجنبی شے کے متعلق تم یہ بات کہتے تو تحقیق کی ضرورت بھی ہوتی مگر تم تو خدا کے متعلق یہ بات کہتے ہو جو ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ پھر ہم کس طرح اس بات کو مان لیں کہ بنو اسحاق سے باہر نبی نہیں آسکتا۔ اصل سوال تو یہ ہے کہ نبی بھیجا کون کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ ہی بھیجتا ہے تو تم ایسی بات کیوں کہتے ہیں جسے کوئی فطرتِ صحیحہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتی۔ وہ تمہارا بھی رب ہے اور ہمارا بھی۔ اگر وہ صرف تمہارا ہی رب ہوتا تو تم کہہ سکتے تھے کہ وہ ہمارے سوا کسی اور سے تعلق نہیں رکھ سکتا مگر جب وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں تو دے دے اور ہمیں چھوڑ دے لَنَآ اَعۡمَالُنَا وَ لَکُمۡ اَعۡمَالُکُمۡ فرماتا ہے کہ دین میں حسد کی بھی کوئی وجہ نہیں کیونکہ کوئی شخص دوسرے کی کمائی نہیں لے سکتا۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی جزا کا مستحق ہو گا۔ تمہارے اعمال تمہارے کام آئیں گے اور جس قوم میں سے یہ نبی آیا ہے اس کے افراد کے اعمال اس کے کام آئیں گے جو شخص جس قدر کوشش کرے گا اسی قدر انعام پائیگا۔ کوئی قومی رعایت نہیں ہو گی وَنَحۡنُ لَہٗ مُخۡلِصُوۡنَ اور ہم تو اسی سے اخلاص کا تعلق رکھتے ہیں اس میں بتایا کہ ہماری محبت ایسی نہیں کہ اگر وہ کچھ دے تو ہم اس پر ایمان لائیں۔ بلکہ ہمارا تو یہ حال ہے کہ خواہ وہ ہمیں کچھ دے یا نہ دے تب بھی ہم اسی کے لئے وقف ہیں اور اسی کے اطاعت گزار رہیں گے۔ اس کے سوا ہمیں کوئی اور چیز مطلوب نہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 219، 220 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 96

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ وَلَا تُسۡـَٔلُوۡنَ عَمَّا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ

(البقرة:141،142)

ان دو آیتوں پر بنی اسرائیل کے سلسلۂ نبوت کی تبدیلی پر اعتراض کے مضمون کے جواب کا ایک پہلو پورا ہوتا ہے اور اس مضمون کا دوسرا پہلو جو قبلہ بدلنے سے تعلق رکھتا ہے ان آیتوں کے بعد شروع ہوتا ہے ان دو آیات کی تفسیر میں حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں:۔

''اللہ تعالیٰ یہود کا یہ دعویٰ بیان کرتا ہے کہ ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحقؑ، یعقوب اور اس کی اولاد بھی یہودی یا مسیحی تھے۔ قرآن کریم اس کا ایک سادہ سا جواب دیتا ہے مگر وہ ایسا جواب ہے کہ جس سے اُن پر موت وارد ہو جاتی ہے حضرت ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور ان کی اولاد سے تعلق رکھنے والے افراد توریت اور انجیل کے زمانہ سے بہت پہلے گزر چکے تھے اور توریت جسے وہ الہامی مانتے ہیں۔ اس میں اس کا صاف طور پر ذکر آتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم دانستہ جھوٹ بولتے ہو اور ان گواہیوں کو چھپاتے ہو جو تورات میں موجود ہیں...... تِلۡكَ اُمَّةٌ قَدۡ خَلَتۡ لَهَا مَا كَسَبَتۡ وَلَكُمۡ مَّا كَسَبۡتُمۡ فرماتا ہے یہ ایک امت تھی جو گزر چکی۔ تم کیوں اپنی غلطیوں میں ان کو شریک کرتے ہو۔

وہ اپنے اعمال کے آپ ذمہ دار ہیں اور تم اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہو۔ پس اس بات سے کیا فائدہ کہ تم ان کو بھی اپنے ساتھ شامل کرتے ہو۔ تم اپنے ایمان کی فکر کرو۔ اُن کا ایمان تمہیں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ اور نہ اُن کی نیکیاں تمہاری نجات کا موجب بن سکیں گی...... ان نبیوں کے اعمال تمہارے کام نہیں آسکتے، نہ مسیحؑ کا تکلیف اُٹھانا تمہاری نجات کا موجب بن سکتا ہے۔ تم سے تمہارے اعمال کی نسبت پوچھا جائیگا۔ اس لئے تمہیں اپنا فکر کرنا چاہے۔''

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 220 تا 222 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 97

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَاوَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (البقرة:143)

اسلام کی تعلیم میں روح اور جسم دونوں کو ایک دوسرے پر اثر ڈالنے والا قرار دیا گیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسلامی اصول کی فلاسفی میں اس مضمون کو وضاحت سے بیان فرمایا ہے۔ اسلامی تعلیم میں جہاں باطن پر زور ہے وہاں ظاہر پر بھی زور ہے۔ اسلامی کی تعلیم کے ذریعہ جہاں ایک عالمگیر، زبردست تبدیلی روحانیت اور عقائد میں کی گئی وہاں اس تبدیلی کا ظاہری سمبل(Symbol)، ظاہری علامت قبلہ کی تبدیلی سے کیا گیا تا کہ ہر ایک کو احساس ہو جائے کہ کوئی زبردست تبدیلی کی جارہی ہے۔

یہ بھی مد نظر رہے کہ بظاہر نظر ان آیات میں بنی اسرائیل کی دو شاخوں یہود اور نصاریٰ مخاطب نظر آتی ہیں جو عالمی اثرات رکھتی ہیں اور ان دونوں سے ہی زیادہ مسلمانوں کی عالمی سطح پر کش مکش ہونے والی تھی مگر ان دونوں مذاہب سے بحث کرتے ہوئے دراصل ہندومت، بدھ مت، زرتشت ازم وغیرہ ماننے والوں کو بھی خطاب ہے کہ اب قبلہ نہ یروشلم ہے، نہ بنارس، نہ کپل وستو، نہ کوہ سبلان۔

فرماتا ہے کہ نادان لوگ کہیں گے کہ مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے کس چیز نے پھیر دیا جس پر وہ تھے۔ کوئی یروشلم کو قبلہ بنائے بیٹھا تھا، کوئی بنارس کو، کوئی کپل وستو کو، کوئی سبلان کے پہاڑ کو۔ فرماتا ہے تم کہو کہ یہ فیصلہ کرنا کہ مشرق کی طرف رُخ کیا جائے یا مغرب کی طرف، یہ زید، بکر کا کام نہیں، یہ تو محض اللہ کا کام ہے۔ سیدھا راستہ کون سا ہے اس کا فیصلہ کرنا اور پھر اس کی طرف رہنمائی کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے۔

درس القرآن نمبر98

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (البقرة:144)

جیسا کہ پچھلی آیت کی تشریح میں بتایا گیا تھا کہ قبلہ کا بدلنا تاریخ انسان کے بہت بڑے اور بہت اثرات پیدا کرنے والے واقعات میں سے ہے اور یہ ایک ظاہری علامت ہے اس بات کی کہ اب پہلے مذاہب، پہلے رسول اور انبیاء پہلے مقدس مقامات، پہلی الہامی کتابوں کا دور پورا ہو کر اب اسلام کا دور ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کا دور ہے، اب یروشلم اور بنارس کے بجائے مکہ اور مدینہ کا دور ہے، اب ژند اوستا، وید اور بائبل کے بجائے قرآن کا دور ہے۔ اور اے مسلمانو! اب اس قدر تبدیلی کے ساتھ تمہاری بہت بڑی ذمہ واری ہے۔ تم جس طرح مجلس میں وسط میں میر مجلس کا بٹھایا جاتا ہے اس طرح تمہیں وسطی امت، بہترین امت بنایا جا رہا ہے لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ تاکہ تم تمام دنیا کے لوگوں کے لئے ایک معیار قرار پائے، ایک گواہ کی حیثیت تمہاری ہو وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا اور رسول ﷺ کی ذات مبارک تمہارے لئے معیار اور گواہ ٹھہرے۔

یہ تبدیلی ایمان ضائع کرنے کے لئے نہیں بلکہ ایمان بڑھانے کے لئے ہے وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ وہ قبلہ جس پر اب تو قائم ہوا ہے اس لئے ہے لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ تاکہ ہم جانچ لیں کہ کون رسول کی پیروی کرتا ہے، کون اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ بے شک یہ بہت بڑا امتحان ہے اپنا مذہب چھوڑ کر، اپنی رسوم چھوڑ کر، اپنے تعلقات چھوڑ کر، اپنے بچپن سے دلوں میں ڈالے گئے خیالات کو چھوڑ کر نئے دین میں داخل ہونا، نیا قبلہ اختیار کرنا آسان بات نہیں مگر یہ بات انہیں کو ملتی ہے جن کو اللہ ہی دے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اور یہ تبدیلی اللہ تعالیٰ نے تمہارے ایمان کو ضائع کرنے کے لئے نہیں کی اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ اللہ تعالیٰ تو شفقت کرنے والا، بار بار رحم کرنے والا ہے۔

درس القرآن نمبر 99

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (البقرۃ:145)

پچھلے درس میں یہ ذکر ہوا تھا کہ قبلہ کا بدلنا ایک ظاہری علامت تھی اس بات کی کہ دنیا میں ایک زبردست روحانی تبدیلی ہو رہی ہے جو رسول کریم ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ وابستہ ہے۔ رسول کریم ﷺ کی بعثت سے اب نہ یہودیت قابل عمل رہی، نہ عیسائیت واجب العمل رہی، زرتشت ازم کا دور ختم ہوا، ہندو مت اور بدھ مت رخصت ہوئے۔ ان سب کی اچھی تعلیم اسلام میں شامل ہے اور ان کے بگاڑ سے اسلام کی تعلیم پاک ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کی رضا محمد مصطفیٰ ﷺ کی رضاء میں ہے قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ہم تمہاری یہ خواہش اور یہ مرضی جانتے ہیں اور اس کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا اب ہم تمہیں اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جو تمہیں پسند ہے فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اس لئے تم اپنا رخ قابل احترام مسجد کی طرف پھیرو۔

(اور اے مسلمانو!) وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ اور تم جہاں کہیں بھی ہو، اپنا رخ اس کی طرف کرو وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ اور وہ لوگ جن کو ماضی میں کتاب دی گئی تھی، جانتے ہیں کہ یہ بات (جو ہم نے بیان کی ہے) کامل صداقت ہے ان کے رب کی طرف سے وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ اور تم اس دھوکہ میں نہ رہنا کہ تمہارے انکار کا کسی کو علم نہیں ہو رہا۔ اللہ تمہارے اعمال سے خوب واقف ہے۔

درس القرآن نمبر100

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ (البقرۃ:146)

قبلہ کی تبدیلی جو دراصل مذہب کی تبدیلی کی ظاہری علامت ہے اس کے متعلق ان لوگوں کا رویہ جن کو کتاب دی گئی، شروع اسلام سے سخت مخالفانہ رہا اور آج جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لٹریچر کے ذریعہ حقیقت کے لحاظ سے کسر صلیب ہو چکا ہے، آج بھی مخالفانہ ہے۔ خواہ ہزار دلائل دو، وہ مخالفانہ بحث کرتے چلے جائیں گے مثلاً ان کا عقیدہ ہے کہ الوہیت میں تین(3) وجود ہیں، تینوں الگ الگ ہیں، تینوں خدا ہیں مگر پھر بھی تین نہیں بلکہ ایک خدا ہے۔ اب اس پر کئی دفعہ بات ہوتی ہے ظاہراً یہ نظر آتا ہے کہ کوئی تعلیم یافتہ آدمی اس بات کو نہیں مان سکے گا۔ مگر ہوتا یہی ہے کہ ضد پر اڑ جاتے ہیں۔

یہاں یہ بات مدنظر رہے کہ اس آیت میں ان اہل کتاب کا جو مخالفانہ انداز رکھتے ہیں اُوْتُوا الْكِتٰبَ کے الفاظ سے ذکر کیا گیا ہے یعنی ان کو کتاب دی گئی تھی مگر اس سے اگلی آیت میں جہاں اہل کتاب کے ایک گروہ کی تعریف کی گئی ہے اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ کے الفاظ ہیں یعنی ہم نے ان کو کتاب دی۔ اس معمولی سی تبدیلی کے ساتھ قرآن مجید نے الگ الگ مضامین بیان فرمائے ہیں۔

بہرحال فرماتا ہے کہ انکار کرنے والے اپنی مخالفت پر نشان اور دلائل کے باوجود اڑے ہوئے ہیں اور آپؐ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح حکم آجانے کے بعد ان کے قبلہ کی پیروی نہیں کرسکتے۔ مگر یہ اعتراض تو قبلہ کی تبدیلی کا آپ پر کرتے ہیں۔

خود ان کی تاریخ اس بات سے بھری پڑی ہے کہ یہ قبلہ تبدیل کرتے رہے ہیں۔ موسوی شریعت کے مطابق اصل قبلہ تو جیسا کہ استثناء کی کتاب میں حکم ہے کوہ عیبال پر تھا۔ پھر حضرت موسیٰ کے لمبے عرصہ بعد یروشلم کو قبلہ قرار دیا گیا۔ (اگر حضرت موسیٰؑ کے حکم کو اور پھر اس کی تعمیل کو دیکھا جائے تو یروشلم پر اہل کتاب کا کوئی حق نہیں بنتا) پھر یہود و نصاریٰ کے قبلہ میں بھی اختلاف رہا ہے۔ پس اگر ان حقائق کے باوجود بھی (اے مخاطب) تم اہل کتاب کی کھوکھلی خواہشات کی پیروی کرو تو تم سراسر ظلم کرنے والے ہو۔

درس القرآن نمبر 101

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ (البقرة: 147)

قرآن شریف ایک ایسی کتاب ہے جس کے مضامین عدل اور انصاف پر مشتمل ہیں اگر قرآن شریف نے پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کو ملامت کی ہے کہ صداقت کو پہچانتے ہوئے اس پر ایمان نہیں لاتے تو اب ان لوگوں کا ذکر بھی کر دیا جو اچھی طرح صداقت کی معرفت رکھتے ہیں مگر ساتھ ہی بتادیا کہ بنی اسرائیل میں سے ایک فریق وہ بھی ہے جو حق کو چھپاتے ہیں مگر جان بوجھ کر اور وہ جانتے ہیں۔ ایسے لوگ بنی اسرائیل میں قدیم زمانہ میں بھی تھے اور اب بھی ہیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جن کو ہمارے نبی ﷺ کی زوجہ محترمہ بننے کا شرف حاصل ہوا، ایک یہودی سردار کی بیٹی تھیں اور ان کا چچا بھی یہودی سردار تھا۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میرے چچا مجھ سے بہت لاڈ کرتے تھے، ایک دن وہ ہمارے ہاں آئے تو انہوں نے میری طرف توجہ نہ کی۔ میں کچھ اداس ہو کر الگ ہو گئی تو میں نے ان دونوں کی گفتگو سنی جو کچھ اس طرح تھی:

میرا باپ: گئے تھے؟

چچا: ہاں گیا تھا۔

باپ: ملاقات ہوئی؟

چچا: ہاں ہوئی۔

باپ: وہ سچے نبی ہیں؟

چچا: ہاں وہ سچے نبی ہیں۔

باپ: ماننا ہے؟

چچا: نہیں ماننا، کیونکہ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

’’اللہ تعالیٰ اس آیت میں اہل کتاب کی نسبت فرماتا ہے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ کو

اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانا جاتا ہے...... یعنی جس طرح ہر انسان اپنی بیوی کی پاکدامنی پر اعتبار کرتے ہوئے اس کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد کو اپنی اولاد سمجھتا ہے اور کبھی اس واہمہ میں گرفتار نہیں ہوتا کہ شاید یہ کسی اور کی اولاد ہو اسی طرح جن لوگوں نے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت اور آپ کی راستبازی کو دیکھا ہے اُن کے لئے آپ کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل خود آپ کا اپنا وجود ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 250،251 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر102

اَلۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُمۡتَرِيۡنَ (البقرۃ:148)

پہلا قبلہ چھوڑ کر بیت اللہ کو قبلہ بنانا ہر شخص کا فرض ہے خواہ وہ عیسائی ہو یا یہودی ہو یا زرتشتی مذہب سے تعلق رکھتا ہو یا ہندو مت ہو یا بدھ ہو اس لئے تبدیل قبلہ کے بعد فرمایا کہ تمہیں، ہر انسان کو، خدا نے پیدا کیا ہے خدا نے ہی دل و دماغ دیئے، خدا نے ہی رزق عطا فرمایا اور خدا ہی مالک ہے، یہ سب معنے رَبُّكَ کے ہیں۔ جو پیدا کرنے والا، نشوونما کرنے والا، رزق دینے والا اور تمہارا مالک ہے۔

یہ کامل صداقت کہ دوسرے قبلوں کو چھوڑ کر حقیقی قبلہ کی طرف رخ کرو جب اس ہستی کی طرف سے ہے جس میں یہ صفات ہیں تو پھر جو اس کا حکم ہے، جو اس کی طرف سے صداقت آئی ہے اس کو ماننا ضروری ہے۔ شک تو اس صورت میں ہو کہ یہ صداقت کسی اور کی طرف سے ہو جو نہ پیدا کرنے والا، نہ نشوونما کرنے والا، نہ رزق دینے والا، نہ ہی مالکانہ حیثیت رکھتا ہے، پھر بے شک اس کے متعلق شک کیا جاسکتا ہے مگر اس خدا کی طرف سے آنے والی صداقت کا جو حقیقتاً تمہارا رب ہے شک کرنا سراسر نادانی ہے۔ یہ معنے اس صورت میں ہیں کہ مِنۡ رَّبِّكَ کا خطاب ہر انسان کے لئے ہو۔

اگر خطاب رسول کریم ﷺ کی طرف ہو تو مراد یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے رب کی طرف سے یہ کامل صداقت ہے اور رسول کریم ﷺ کی پیدائش اور نشوونما اور دعویٰ اور نشانات و ترقیات و معجزات محض آپؐ کا چہرہ اور وجود ہی آپؐ کی صداقت کا ثبوت ہیں اس لئے جو حکم آپؐ کی معرفت دیا جارہا ہے وہ کامل حق ہے اس لئے اے مخاطب اس کے بارہ میں شبہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

درس القرآن نمبر 103

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (البقرة:149)

ظاہری قبلہ کی تبدیلی کے حکم کے بعد اب اس آیت میں، اس سلسلہ میں، اللہ تعالیٰ ایک نہایت اہم اور بنیادی بات کی طرف توجہ دلاتا ہے کہ محض ظاہری رخ بدلنا کافی نہیں، صرف ایک عمارت کی طرف منہ کرلینا فائدہ مند نہیں جب تک وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ کہ ہر انسان، ہر قوم، ہر ملک کا کوئی مطمح نظر ہوتا ہے، کوئی مقصد ہوتا ہے۔

جس کو انہوں نے اپنے سامنے رکھا ہوتا ہے۔ اور اس کے لئے وہ کوشش اور جدوجہد کرتے ہیں، کسی نے تجارت کو، کسی نے زراعت کو، کسی نے حکومت کو، کسی نے عیش و عشرت کو، کسی نے کوئی اور کسی نے کوئی اپنا ٹارگٹ بنایا ہوتا ہے۔ تو اب اے مسلمانو! تم نے جب ظاہری طور پر قبلہ کی طرف رخ کرلیا تو تمہارا یہ رخ ظاہری طور پر کرلینا کافی نہیں۔ لیکن تمہارا ٹارگٹ، تمہارا مطمح نظر، تمہاری تمام کوشش کا، جدوجہد کا مقصد فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ہونا چاہیئے۔ یعنی تم تمام خیر کے کاموں میں، تمام نیکیوں میں آگے بڑھو، یہاں نیکیوں کے لئے خیرات کا لفظ رکھ کر توجہ دلائی ہے کہ تم ایسے کاموں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھو۔ جن سے اللہ کی طرف سے خیر و برکت تمہیں ملے اور لوگوں کو تمہاری وجہ سے فائدہ اور خیر و برکت ملے۔ اس مضمون کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں:۔

"ہماری جماعت کو بھی چاہیے کہ ہم میں سے ہر فرد اپنے نفس کو ٹٹولتا رہے اور دین کے ساتھ ایک گہری محبت اور شیفتگی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ اور سوتے جاگتے، اٹھتے بیٹھتے بس یہی ایک مقصد اپنے سامنے رکھے کہ ہم نے اسلام کو دنیا میں غالب کرنا ہے۔ جب تک یہ روح ہمارے اندر پیدا نہیں ہوتی اُس وقت تک ہم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 256 مطبوعہ ربوہ)

پھر اللہ تعالیٰ اس حکم کو دینے کے بعد فرماتا ہے اَیۡنَ مَا تَکُوۡنُوۡا یَاۡتِ بِکُمُ اللّٰہُ جَمِیۡعًا
حضرت مصلح موعودؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"فرماتا ہے تم جہاں کہیں بھی ہوگے آخر ایک دن اللہ تعالیٰ تم سب کو اکٹھا کر کے اپنے پاس لے آئیگا اور تمہیں اپنی سستیوں اور غفلتوں اور لوگوں کو نیکیوں کی دوڑ میں پیچھے چھوڑنے کا جواب دینا پڑے گا۔ پس اس دن کا تمہیں خیال رکھنا چاہیے اور اپنے فرائض کی ادائیگی میں کسی قسم کی کوتاہی سے کام نہیں لینا چاہیے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 258 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 104

وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ حَیْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَ اخْشَوْنِیْ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (البقرۃ:150،151)

پچھلی آیات میں یہ مضمون بیان کرنے کے بعد کہ اب قبلہ کا رخ تبدیل کیا جاتا ہے اب نہ یروشلم، نہ بنارس، نہ کوہ سبلان، نہ کوئی اور قبلہ ہو گا بلکہ اب دائمی قبلہ مسجد الحرام ہے۔

اس آیت میں یہ مضمون بیان کیا ہے کہ صرف نماز کے وقت مسجد الحرام کی طرف رخ کرنا کافی نہیں بلکہ وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ آپ کی جو بھی سرگرمی ہو، جو مہم ہو آپ کی تمام سرگرمیوں اور توجہات کا مرکزی نقطہ مسجد الحرام ہونی چاہیئے اور جس مقصد کے لئے مسجد الحرام کو قائم کیا گیا ہے آپ کے تمام کاموں کا محور وہ ہونا چاہیئے اور یہ کوئی وقتی حکم نہیں وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ یہ ایک دائمی صداقت اور کامل صداقت ہے جو آپؐ کی ذات مبارک کے ساتھ وابستہ ہے کیونکہ زید و بکر کے رب نے نہیں بلکہ آپؐ کے رب نے یہ حکم دیا ہے۔ پھر فرماتا ہے۔

یہ حکم سب سے پہلے تو آپؐ کو ہے وَ مِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کہ آپؐ کی عظیم الشان سرگرمیوں کا رخ مسجد الحرام کی طرف ہونا چاہیئے مگر اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو، تمہارا رخ تمہارے کاموں کا مرکزی نقطہ مسجد الحرام ہونا چاہیئے (حضور ﷺ کی عظیم الشان سرگرمیوں کو عام مسلمانوں کے کاموں سے ممتاز کرنے کے لئے حضور کے لئے خَرَجْتَ کا لفظ استعمال کیا ہے اور مسلمانوں کے لئے كُنْتُمْ کا لفظ استعمال کیا ہے)

فرماتا ہے۔ اے مسلمانو! اگر تمہاری پوری توجہ کا مرکز مسجد الحرام اور اس کے قیام کے مقاصد کو پورا کرنا نہ ہو گا تو لازماً لِئَلَّا یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَیْكُمْ حُجَّةٌ لوگوں کو تم پر اعتراض کرنے کا موقعہ ملے گا۔

اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا سوائے ان ظالموں کے جو جا بے جا اعتراض کرتے ہیں ان کی پرواہ نہ کر

فَلَا تَخْشَوْهُمْ اور ان سے ڈرو وَاخْشَوْنِیْ صرف مجھ سے ہی ڈرو۔ اور یہ حکم کہ تمہاری تمام تر توجہ مسجد الحرام کے مقاصد کے پورا کرنے کے لئے ہونا چاہیئے اس لئے ضروری ہے کہ وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ اللہ تعالیٰ کی نعمت تم پر کمال کو پہنچے۔ سابقہ اقوام کی طرح نہ ہو جو راستہ میں ہی رہ گئے وَ لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ اور تا کہ ان قوموں کی طرح تم گمراہ نہ ہو جاؤ بلکہ تمہیں ہدایت ملتی رہے۔

درس القرآن نمبر 105

قبلہ کی تبدیلی اور مسجد الحرام کو اپنی تمام سرگرمیوں کا مرکزی نقطہ بنانے کے مضمون کو اس مضمون سے جوڑا گیا ہے کہ یہ تمام ہدایات ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چار عظیم ذمہ داریوں کے ساتھ وابستہ ہیں، فرماتا ہے: كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:152)

کہ قبلہ کی تبدیلی اور مسجد الحرام کے مقاصد کو اپنے تمام کاموں کا مرکزی نقطہ قرار دینا اس لئے ضروری ہے کہ ہم نے تم میں وہ عظیم الشان رسول یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تمہاری روحانی تعلیم وتربیت کے لئے ہماری آیات تم لوگوں کو پڑھ کر سناتا ہے مگر صرف پڑھ کر نہیں سناتا بلکہ اپنی قوت قدسیہ اور دعا اور پاک نمونہ کے ذریعہ تمہیں پاک بھی کرتا ہے اور تمہاری روز افزوں ترقی اور بڑھنے کا ذریعہ بھی ہے اور اس غرض کے لئے جس کتاب کی ضرورت ہے اس کے لئے جو احکامات اور قوانین درکار ہیں ان کی تمہیں تعلیم دیتا ہے اور دیگر مذاہب کی طرح صرف قوانین نافذ کرنے پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ ان کی فلاسفی اور ان کی حکمت بھی سکھاتا ہے اور اس پر مزید یہ کہ بہت سی تعلیمات جو ماضی کے مذاہب میں رہ گئی تھیں وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ وہ تعلیمات بھی تمہیں دیتا ہے کیونکہ پرانے مذاہب وقتی اور علاقائی تھے اس لئے ان میں پوری تعلیم نہیں تھی۔

فرماتا ہے فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (البقرۃ:153) اب اتنا بڑا احسان ہم نے تم پر کیا ہے تو اب تمہارا فرض میرا ذکر اور شکر ہے اگر میرا ذکر کروگے تو میں بھی تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر کرو اور میری ناشکری نہ کرو۔

درس القرآن نمبر106

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيۡنَ (البقرة:154)

اس مضمون کو بیان کرنے کے بعد کہ اب خدا کی نظر میں مقبول مذہب اسلام ہے اور سب سے بڑے اور اللہ تعالیٰ کے منظور نظر نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں اور قبلہ کی تبدیلی کے ذریعہ اس مضمون کو خوب واضح کر دیا تو آج کی آیت سے یہ مضمون شروع ہو رہا ہے کہ اب مسلمانوں کو سارے سابقہ مذاہب کے ماننے والوں، سارے سابقہ انبیاء کو مقدم کرنے والوں اور سارے دوسرے قبلوں کی طرف رخ کرنے والوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ان کی طرف سے اعتراض بھی کئے جائیں گے، دکھ بھی دیئے جائیں گے۔ اس لئے اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، دو چیزوں کے ذریعہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنا ہو گی ایک صبر اور دوسری نماز۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"نماز کیا چیز ہے وہ دعا ہے جو تسبیح تحمید تقدیس اور استغفار اور درود کے ساتھ تضرع سے مانگی جاتی ہے۔" (کشتی نوح روحانی خزائن جلد19 صفحہ 68،69)

نماز کا تعلق عبادات سے ہے اور نماز کو عبادات میں بلند مقام حاصل ہے۔ عبادات کے علاوہ دوسری چیز جو انسان کو ترقی کے لئے دی گئی ہے وہ اخلاق ہیں۔ اخلاق میں صبر کو بلند مقام حاصل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام صبر کے متعلق فرماتے ہیں:۔

"جب کوئی چیز اپنے ہاتھ سے جاتی رہے تو اس چیز کو خدا تعالیٰ کی امانت سمجھ کر کوئی شکایت منہ پر نہ لاوے۔ اور یہ کہے کہ خدا کا تھا خدا نے لے لیا اور ہم اُس کی رضا کے ساتھ راضی ہیں۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد10 صفحہ 362)

الغرض اس آیت کا مضمون یہ ہے کہ تم لوگ جو مسلمان ہوئے ہو، تمہیں ہر قسم کی مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر ان کے مقابلہ کے لئے تم کوئی کوشش کرنا چاہتے ہو تو اس کے دو طریق ہیں اخلاق میں صبر کو اختیار کرو اور عبادات میں سے نماز کے ذریعہ مدد چاہو۔

درس القرآن نمبر 107

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ (البقرۃ:155)

اسلام قبول کرنے اور سابقہ مذاہب کو چھوڑنے کے جو نتائج نکلیں گے ان کو ذکر گزشتہ درس سے شروع ہے۔ قرآن شریف نے اس آیت میں بجائے یہ کہنے کے کہ تمہیں جانی قربانیاں بھی دینی پڑیں گی۔ اس مضمون کو اس طرح بیان کیا ہے کہ تم سے جو اللہ کے راستہ میں قتل ہوں گے ان کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں گو تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں۔ اس آیت میں براہ راست جانی قربانیوں کا ذکر کرنے کے بجائے بالواسطہ ذکر کیا ہے۔ اس رنگ میں کہ زخمی دلوں پر مرہم رکھنے کے مضمون سے ان کا ذکر کیا ہے۔

یہاں فرماتا ہے کہ شہید ہونے والے کی زندگی کا تمہیں پتہ نہیں کیونکہ شہید خدا کے حضور زندہ ہیں اور روحانی رزق ان کو مل رہا ہے اور دنیا میں بھی وہ ان معنوں میں زندہ ہیں کہ ایک شہید پر اس کے قائمقام پیدا ہو جاتے ہیں اور شہداء کا مشن کامیابی سے ہمکنار ہو جاتا ہے جس طرح حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے قاتلوں پر آج لوگ لعنت بھیجتے ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام اور کام زندہ ہے۔

قربانیوں کے اس مضمون کو بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے:۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ (البقرۃ:156 تا 158)

اس آیت کا مضمون بیان فرماتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

”اے مومنو! ہم تمہیں اس طرح پر آزماتے رہیں گے کہ کبھی کوئی خوفناک حالت تم پر طاری ہو گی اور کبھی فقر وفاقہ تمہارے شامل حال ہو گا اور کبھی تمہارا مالی نقصان ہو گا اور کبھی جانوں پر آفت آئے گی اور کبھی اپنی محنتوں میں ناکام رہو گے اور حسب المراد نتیجے کوششوں کے نہیں نکلیں گے اور کبھی تمہاری پیاری اولاد مرے گی۔ پس ان لوگوں کو خوشخبری ہو کہ

جب ان کو کوئی مصیبت پہنچے تو وہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کی چیزیں اور اس کی امانتیں اور اس کے مملوک ہیں۔ پس حق یہی ہے کہ جس کی امانت ہے اس کی طرف رجوع کرے۔ یہی لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمتیں ہیں اور یہی لوگ ہیں جو خدا کی راہ کو پا گئے۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد10 صفحہ 362)

درس القرآن نمبر108

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (البقرۃ:159)

گزشتہ آیات میں یہ مضمون چل رہا تھا کہ سابقہ مذاہب اور سابقہ قبلے چھوڑنے پر اسلام لانے والوں کو بہت سی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑے گا، بہت سی قربانیاں دینا پڑیں گی، بہت سے دکھ اٹھانے پڑیں گے، اس لئے مسلمانوں کو صبر اور دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنا چاہیئے اور اس سے مدد مانگنی چاہیئے۔

اس آیت میں ایک عظیم الشان قربانی کی طرف اشارہ ہے جو ایک عمر رسیدہ نبی نے بھی کی، ایک نوجوان عورت نے بھی کی اور ایک بچہ نے بھی کی۔ اور جس قربانی کے نتیجہ میں مکہ جیسی بستی میں ہمارے نبی ﷺ کی بعثت ہوئی۔

یہ قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تھی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور اپنے پلوٹھے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بے آب و گیاہ اور بے آباد وادی میں چھوڑ آئے۔ ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجوروں کی دے کر۔ اور خود واپس وطن چلے گئے۔ اس عظیم الشان قربانی کے موقعہ پر جب چھوٹی عمر کے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیاس سے بے حال ہو رہے تھے، حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے صفا اور مروہ کے درمیان پانی اور کسی آدمی کی تلاش میں چکر لگائے اور اللہ تعالیٰ نے زمزم کے ذریعہ ان کے پانی کا انتظام فرمایا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ صفا اور مروہ اللہ کے نشانات میں سے ہیں پس جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ تو کوئی گناہ نہیں ہوگا کہ وہ صفا و مروہ کا طواف بھی کرے اور جو نفلی طور پر یہ نیکی کرنا چاہے تو وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ قدردان بھی ہے اور خوب جاننے والا بھی ہے۔

درس القرآن نمبر 109

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلۡنَا مِنَ الۡبَیِّنٰتِ وَ الۡهُدٰی مِنۡۢ بَعۡدِ مَا بَیَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِی الۡکِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِکَ یَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ یَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا وَ اَصۡلَحُوۡا وَ بَیَّنُوۡا فَاُولٰٓئِکَ اَتُوۡبُ عَلَیۡهِمۡ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِیۡمُ اِنَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَ مَاتُوۡا وَ هُمۡ کُفَّارٌ اُولٰٓئِکَ عَلَیۡهِمۡ لَعۡنَةُ اللّٰهِ وَ الۡمَلٰٓئِکَةِ وَ النَّاسِ اَجۡمَعِیۡنَ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَا ۚ لَا یُخَفَّفُ عَنۡهُمُ الۡعَذَابُ وَ لَا هُمۡ یُنۡظَرُوۡنَ (البقرة:160 تا163)

سابقہ قبلوں کو چھوڑ کر بیت اللہ کو قبلہ بنانا اور سابقہ مذاہب کو چھوڑ کر اسلام کو اپنا مذہب بنانا ایک بہت بڑی قربانی کا مطالبہ کرتا ہے اور اس مضمون کو گزشتہ آیات میں بیان کر کے بتایا تھا کہ مسلمان ہونے والوں کو صبر اور دعا کے ذریعہ اللہ سے مدد مانگنی چاہیئے اور اس سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا اور اس کی یاددہانی کے صفا اور مروہ کے درمیان سعی کو حج اور عمرہ کی عبادت کا حصہ قرار دیا۔

آج کی ان چار آیات میں یہ مضمون ہے کہ بے شک اسلام لانے اور قرآن میں واضح طور پر دلائل کے ساتھ بیان شدہ ہدایت کو قبول کرنا اور مخالفتوں اور قربانیوں کو برداشت کرنا مشکل کام ہے مگر فرماتا ہے کہ جو لوگ ان روشن دلائل اور ہدایت کو جو ہم نے لوگوں کے لئے قرآن میں کھول کر بیان کر دیئے ہیں چھپائیں۔ ان کے لئے ان مخالفتوں اور قربانیوں کو برداشت کرنے سے بہت زیادہ دکھ کا سامان ہے اور وہ یہ کہ ایسے لوگوں پر لعنت کرتا ہے اور ان پر سب لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں۔ گو توبہ اور اصلاح کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا، ہاں مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور اس صداقت کو جو اللہ کی طرف سے آئی ہے کھول کر بیان کر دیا تو یہی وہ لوگ ہیں جن پر میں توبہ قبول کرتے ہوئے جھکوں گا اور میں توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہوں اور وہ لوگ جو اس کامل صداقت سے انکار کرتے ہیں اور کفر کی حالت میں ہی مر گئے یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی لعنت ہے اور فرشتوں کے اور تمام انسانوں کی۔ اور اس لعنت میں وہ ایک لمبے عرصہ تک رہنے والے ہوں گے ان پر سے عذاب کو ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہ مہلت دیئے جائیں گے۔

درس القرآن نمبر 110

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ (البقرۃ:164) بنی اسرائیل سے بنیادی کش مکش کا مضمون جو ایک نئے مذہب اور نئی کتاب کے لئے نہایت ضروری مضمون تھا اب یہاں ختم ہو رہا ہے اس مضمون کی ضرورت یہ تھی کہ جو مذہب زمانہ کے لحاظ سے بعد میں آرہا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ سابقہ مذاہب کی موجودگی میں نئے مذہب کی ضرورت بتائے قرآن شریف نے یہودیت، عیسائیت اور اس ضمن میں دیگر تمام سابقہ مذاہب کی موجودگی میں اسلام اور قرآن کی ضرورت کا مضمون پیش کیا ہے۔

اور اس آیت سے اسلامی شریعت کے بنیادی ارکان و عبادات و احکامات کا تذکرہ شروع ہے مگر ان کے بیان سے پہلے ضروری تھا کہ توحید کا ذکر کیا جائے جو اسلام کے تمام ارکان وعبادات و احکامات کی بنیاد ہے۔ چنانچہ اس آیت سمیت اگلی پانچ آیات میں ہستی باری تعالیٰ اور محبت الٰہی کا بیان ہے اور پھر دو (2) بنیادی عقیدہ کی خلاف ورزی کے نتائج بیان ہیں۔ فرماتا ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اس کی عبادت ہی تم سب کے لئے لازمی ہے۔ عبادات و احکامات صرف وہی قابل قبول ہیں جو توحید اور محبت الٰہی کے تابع ہوں۔ فرماتا ہے نہ صرف یہ کہ تم سب کا معبود ایک ہے بلکہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے سوا اور کوئی قابل عبادت نہیں هُوَ الرَّحْمٰنُ اس نے انسان کے کسی عمل اور کوشش کے بغیر یہ تعلیم دی ہے الرَّحِيْمُ اور جو اس تعلیم پر عمل کرتا ہے اس کے لئے نیک نتائج اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔

اگر یہ سوال ہو کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ایسا معبود جو ایک ہو، رحمان بھی ہو، رحیم بھی ہو تو اس کے لئے نظام قدرت سے ایک تفصیلی دلیل دیتا ہے اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یعنی تحقیق آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے وَ اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ اور رات اور دن کے اختلاف وَ الْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ اوران کشتیوں کے چلنے میں جو دریا میں لوگوں کے نفع کے لئے چلتی ہیں وَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ اور جو کچھ خدا نے آسمان سے پانی اتارا فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اور اس سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد

زندہ کیا وَ بَثَّ فِیْھَا مِنْ کُلِّ دَآبَّۃٍ اور زمین میں ہر ایک قسم کے جانور بکھیر دیئے وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اور ہواؤں کو پھیرا اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں مسخر کیا لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (البقرۃ:165) یہ سب خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید اور اس کے الہام اور اس کے مدبر بالارادہ ہونے پر نشانات ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کے مذکورہ ترجمہ کے بعد فرماتے ہیں:۔

"اب دیکھئے اس آیت میں اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے اس اصول ایمانی پر کیسا استدلال اپنے اس قانون قدرت سے کیا یعنی اپنی ان مصنوعات سے جو زمین و آسمان میں پائی جاتی ہیں جن کے دیکھنے سے مطابق منشاء اس آیت کریمہ کے صاف صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ بیشک اس عالم کا ایک صانع قدیم اور کامل اور وحدہٗ لاشریک اور مدبر بالارادہ اور اپنے رسولوں کو دنیا میں بھیجنے والا ہے۔"

(جنگ مقدس روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 125)

درس القرآن نمبر 111

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (البقرة:166 تا168)

جیسا کہ گزشتہ درس میں بیان ہوا تھا بنی اسرائیل سے کش مکش کے مضمون کے خاتمہ اور اسلامی شریعت کے بیان کے مطابق عبادات اور احکامات کے تفصیلی ذکر سے پہلے 5 آیات میں ہستی باری تعالیٰ، توحید باری تعالیٰ، محبت الٰہی اور ان تینوں چیزوں سے غفلت کرنے کے نتیجہ میں اس کے برے نتیجہ کا بیان ہے، فرماتا ہے کہ بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے مقابل شریک بنالیتے ہیں اور ان سے اللہ سے محبت کرنے کی طرح محبت کرتے ہیں جبکہ وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ کی محبت میں ہر محبت سے زیادہ ہیں۔ کاش وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا سمجھ سکیں جب وہ عذاب دیکھیں گے کہ تمام قوت ہمیشہ سے اللہ ہی کی ہے اور یہ کہ اللہ عذاب میں بہت سخت ہے۔

توحید باری تعالیٰ اور محبت الٰہی کے بعد دو آیات میں ان بنیادی باتوں سے غفلت کرنے کے نتائج کا ذکر ہے، فرماتا ہے۔ جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی ان لوگوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے جنہوں نے ان کی پیروی کی اور وہ عذاب کو دیکھیں گے جبکہ ان سے نجات کے سب ذرائع اور باہمی محبتیں اور تعلقات سب کٹ جائیں گے اور وہ لوگ جنہوں نے پیروی کی کہیں گے کاش ہمیں ایک اور موقعہ ملتا تو ہم ان سے اسی طرح بیزاری کا اظہار کرتے جس طرح انہوں نے ہم سے بیزاری کا اظہار کیا ہے اس طرح اللہ انہیں ان کے اعمال ان پر حسرتیں بنا کر دکھائے گا اور وہ اس آگ سے نکل نہیں سکیں گے۔ توحید و ہستی باری تعالیٰ اور محبت الٰہی کے اس بنیادی مضمون کے بعد اور خدا کے ساتھ شریک بنانے کے نتائج کے بیان کے بعد اب یہاں سے شریعت اسلامی کے تفصیلی احکام کا ذکر شروع ہوتا ہے اور فرماتا ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (البقرۃ:173) جس کی تشریح انشاء اللہ اگلے درس میں کی جائے گی۔

درس القرآن نمبر 112

يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ (البقرة:169)

سورۃ البقرۃ میں قرآن شریف کے چار اہم مضامین بیان ہیں جن کا ذکر اس دعا میں ہے جو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیت اللہ کی دوبارہ تعمیر کے وقت اللہ کے حضور کی تھی کہ ان میں وہ عظیم الشان رسول مبعوث فرما جو چار عظیم الشان کام سرانجام دینے والا ہو گا۔

پہلا کام: تلاوت آیات جس سے مراد اسلام کے بنیادی عقائد وارکانِ ایمان کی تعلیم ہے۔

دوسرے: تعلیم کتاب یعنی اسلام کے بنیادی احکامات واعمال جو ایک مسلمان کو کرنے چاہئیں۔ اور

تیسرے: تعلیم حکمت یعنی ان قوانین واحکامات کی حکمت اور ان کے فوائد کا بیان۔ اور

چوتھے: اسلام لانے والوں کے تزکیہ اور پاکیزگی اور ان کے نشوونما کے ذرائع۔

آج کی آیات سے تعلیم کتاب او تعلیم حکمت کا مضمون شروع ہوتا ہے۔

کتاب یعنی قوانین جن پر عمل کرنا انسان کے مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے اور ان قوانین کی حکمت کے بیان میں سب سے پہلے اس چیز کو لیا ہے جو انسانی زندگی کے لئے بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور وہ ہے کھانا پینا۔ شاید کسی کو خیال جائے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اسلام کے بنیادی احکامات ہیں ان کا ذکر پہلے چاہیئے تھا۔ بے شک یہ چیزیں ضروری ہیں مگر ایک انسان ان چیزوں کے بغیر زندہ رہ سکتا ہے لیکن اگر زندگی ہی نہ ہو تو ان میں سے کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ نیز یہ عبادات بھی مال حرام کھاتے ہوئے اور ناپاک اور نامناسب غذا استعمال کرتے ہوئے نہ صحیح رنگ میں کی جاسکتی ہیں، نہ خدا تعالیٰ کے حضور مقبول ہو سکتی ہیں اس لئے قوانین واحکامات کی تفصیل کی ابتداء حلال وطیب کھانے پینے سے شروع کی ہے اور فرماتا ہے۔ اے سب لوگو کیونکہ یہ پیغام سب قوموں، ملکوں، رنگوں اور نسلوں کے لئے ہے اس میں سے جو زمین میں جائز ہے اور شریعت نے اس کو حلال قرار دیا ہے کھاؤ مگر صرف جائز نہیں وہ تمہارے مزاج اور طبیعت اور صحت کے لحاظ سے طیب اور پاکیزہ بھی ہونا چاہیئے۔ اگر ایسا نہ کروگے تو تم شیطان کے پیچھے چلنے والے بن جاؤ گے اور وہ تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے۔ تو دیکھو یہ کتنی بڑی نادانی ہے اور حکمت کے سراسر خلاف ہے کہ انسان اپنے کھلے کھلے دشمن کی بات ماننے لگ جائے۔

درس القرآن نمبر 113

اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرۃ:171,170)

گزشتہ درس سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا میں جو رسول پاک ﷺ کے عظیم کاموں کا جو ذکر ہے ان میں دوسرے اور تیسرے کام یعنی کتاب شریعت، قوانین و احکامات کا ذکر اور ان کی حکمت کا بیان شروع ہوا تھا اور پہلا حکم یہ تھا كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ کہ زمین میں جو کچھ جائز اور پاکیزہ ہے کھاؤ مگر شیطان کے قدموں کے پیچھے نہ چلو۔

آج کی آیت میں یہ بیان ہے کہ حلال و پاکیزہ کھانے کا حکم اور شیطان کے پیچھے چلنے سے ممانعت کی حکمت کیا ہے؟

فرماتا ہے: اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ اور دوسرے یہ کہ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ پہلی بات یعنی شیطان تمہیں سوء اور فحشاء کا حکم دیتا ہے کی تشریح یہ ہے کہ شریعت نے جو حکم دیا ہے کہ حلال اور طیب کھاؤ وہ حکم تمہارے لئے ذاتی طور پر بھی مفید ہے اور تمہارے دوسروں سے تعلقات کے لحاظ سے بھی مفید ہے۔ مگر غور کرکے دیکھ لو شیطانی تحریکات تمہاری ذات کے لئے بھی مضر ہیں اور تمہارے دوسروں سے اچھے تعلقات کے لئے بھی نقصان دہ ہیں۔ حضرت مصلح موعودؓ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"شیطان کے پیچھے چلنے کا ایک نتیجہ تو یہ ہوتا ہے کہ وہ ذاتی طور پر انسان کو مختلف قسم کی بُرائیوں میں مبتلا کر دیتا ہے جیسے بدظنی ہے یا جھوٹ ہے یا کینہ ہے یا جہالت ہے یا سُستی اور غفلت ہے یا بُزدلی ہے یا تکبر ہے یا بے غیرتی ہے یا ناشکری ہے یہ وہ بُرائیاں ہیں جن سے صرف انسان کی اپنی ذات کو نقصان پہنچتا ہے اور جن کی طرف سوء کے لفظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ لیکن جب انسان اپنی اصلاح نہیں کرتا تو دوسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ فحشاء یعنی ایسی بدیاں کرواتا ہے

جن کا دوسرے لوگوں پر بھی اثر پڑتا ہے جیسے خیانت اور تہمت اور ظلم اور دھوکا اور قتل اور چوری اور مار پیٹ اور گالی اور ناواجب طرفداری اور رشوت وغیرہ۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 332،333 مطبوعہ ربوہ)

دوسری وجہ شیطان کی پیروی نہ کرنے کی بتائی وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ
حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

’’پھر وہ (شیطان۔ناقل) بدیوں میں اور زیادہ بڑھاتا ہے اور آخر انسان کو خدا کے مقابلہ میں کھڑا کر دیتا ہے۔یا انسان کے اندر ایسی بے حیائی پیدا کر دیتا ہے کہ اُسے دوسروں کے سامنے بھی برائیوں کے ارتکاب میں کوئی حجاب محسوس نہیں ہوتا۔اور وہ برملا خدائی احکام کے خلاف لب کشائی شروع کر دیتا ہے۔‘‘

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 333 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 114

وَ اِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اتَّبِعُوۡا مَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ قَالُوۡا بَلۡ نَتَّبِعُ مَآ اَلۡفَيۡنَا عَلَيۡهِ اٰبَآءَنَا اَوَ لَوۡ کَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ (البقرۃ:171)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر 169 سے مضمون کا رنگ بدل گیا ہے۔ آیت 169 تک آیات کی تلاوت کے پہلو پر زور تھا اب اس کے بعد قوانین واحکامات اور ان کی حکمت بیان کرنے پر زور ہے اور اس سلسلہ میں فرمایا تھا کہ حلال اور طیب کھانے کھاؤ۔ اور اب چند آیات میں اس حکم کی اہمیت اور ضرورت اور اس کے مختلف پہلوؤں کی تشریح کی گئی ہے۔

آج کی آیت میں اس حکم کی نافرمانی کی بہت اہم وجہ بیان کی گئی ہے فرماتا ہے کہ لوگوں کو جب حکم دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوانین اور احکامات کے بارہ میں جو تعلیم اتاری ہے اس کی پیروی کرو تو اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ ہم تو اس طریق کی پیروی کریں گے جو ہمارے باپ دادا کی طرف سے چلتا چلا آرہا ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو سچے مذہب کا سب سے بڑا دشمن شاید یہی خیال ہے۔

انگلستان کے قیام کے دوران میں اسلام کی تعلیم کی کوئی اچھی بات بھی مقامی لوگوں کے سامنے پیش کی جاتی تو بالعموم جواب ملتا But we English are not like that۔ بہت ہی ہمت والے وہ شخص ہوتے ہیں جو جو اپنے ماحول کے اثرات، اپنے ماں باپ سے سنی ہوئی باتیں اپنے کنبہ اور قوم کے خیالات وعقائد پر ناقدانہ نظر ڈال کر سچے مذہب کی پیش کردہ صداقتوں کو اختیار کرنے والے ہوں۔ سؤر، شراب، عریانی خلاف عقل عقائد کے بارہ میں جتنا بھی لوگوں کو سمجھایا جائے وہ ورثہ میں ملے ہوئے طریق چھوڑنے کو کم ہی تیار ہوتے ہیں۔

قرآن شریف فرماتا ہے اَوَ لَوۡ کَانَ اٰبَآؤُهُمۡ لَا يَعۡقِلُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّلَا يَهۡتَدُوۡنَ کیا ایسی صورت میں بھی وہ اپنے آباء واجداد کی پیروی کریں گے۔ جبکہ ان کے باپ دادا خلاف عقل خیالات اور باتیں کر رہے ہوں اور سیدھے راستہ پر نہ چل رہے ہوں۔ یہ کون سی دانائی کی بات ہے ؟؟؟

درس القرآن نمبر 115

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ (البقرة:172)

جیسا کہ گزشتہ درسوں میں بتایا گیا ہے آیت يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا (البقرة:169) سے سورۃ البقرۃ کے پہلے مضمون تلاوت آیات کے بعد دوسرا مضمون کتاب یعنی شریعت کے احکامات اور قوانین اور تیسرا مضمون احکامات قوانین کی حکمتوں کا بیان شروع ہے۔ پہلا قانون اور حکم یہ تھا کہ حلال اور طیب ہی کھاؤ۔ اس کے بعد کی آیات میں اس حکم کی حکمت اور اس حکم کے انکار کرنے والوں کی نادانی کا بیان ہے۔

آج کی آیت میں یہ مضمون ہے کہ ایسی اعلیٰ درجہ کی تعلیم دین اور دنیا کے لحاظ سے مفید تعلیم، پاکیزہ اور بابرکت تعلیم کہ جائز کھاؤ اور طیب کھاؤ کا لوگ اپنی نادانی سے انکار کر رہے ہیں۔ یہ کتنی نادانی کی بات ہے ان کی مثال تو یہ ہے کہ جس طرح چوپایوں کو بلانے والا ان کو بلاتا ہے۔ مگر وہ سوائے پکار اور آواز کے کچھ نہیں سنتے۔ یہ لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں اور عقل سے کام نہیں لیتے۔

حضرت مصلح موعودؓ اس آیت کا پہلی آیت سے تعلق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"جب انہیں خدا تعالیٰ کی طرف بلایا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا اس کی اتباع کرو تو وہ اُسے سن کر اعراض اختیار کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو اُسی طریق کی اتباع کرینگے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ گویا محمد رسول اللہ ﷺ کا انہیں دعوتِ حق دینا ایسا ہی ہے جیسے جانوروں کو اپنی طرف بلانا۔ یہ لوگ بھی آپ کی آواز سُنتے ہیں مگر سمجھتے نہیں کہ اس آواز پر لبیک کہنا کس قدر ضروری ہے اور وہ اپنے باپ دادا کے طریق پر چلتے چلے جاتے ہیں۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 336 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر116

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ

(البقرۃ:173)

جیسا کہ پہلے ذکر ہوچکا ہے سورۃ البقرۃ کی ان آیات میں حضور ﷺ کے ابراہیمی پیشگوئی کے مطابق چار عظیم الشان کاموں میں سے دوسرے اور تیسرے کاموں کا ذکر ہے شروع ہے اور اس ضمن میں پہلا حکم حلال اور طیب کھانے کا ارشاد ہے جس کا ذکر یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا (البقرۃ:169) سے شروع ہوتا ہے اس کے بعد تین آیات میں اس عظیم الشان حکم کی اہمیت بتائی گئی ہے اور اس حکم کا جو انکار کرتے ہیں ان کی نادانی کا ذکر ہے۔

آج کی آیت میں مومنوں کو خاص طور پر مخاطب کرکے اس حکم کا ذکر ہے اور کھانے پینے کا عبادت کے ساتھ جوڑ قائم کیا ہے، فرمایا ہے:۔

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے بطور رزق تمہیں عطا کی ہیں، کھاؤ۔ مومنوں کے متعلق ”حلال کھاؤ“ کے عمومی حکم کے بعد ناجائز کھانے کا تو تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ البتہ طیب کے بارہ میں یعنی طبیعت، مزاج، صحت، معاشرہ کے رواج کو مدنظر رکھنا اتنا آسان نہیں جتنا حرام و حلال کا فرق ہے اس لئے مومنوں کے لئے اس بات کو دہراتے ہوئے خصوصاً طیبات کا ذکر ہے۔ مگر اس آیت میں صرف کھانے کا حکم نہیں بلکہ کھانے کا حکم خدا تعالیٰ کے احسانات کے شکر اور عبادت سے باندھا گیا ہے، فرماتا ہے کہ یہ طیبات تم نے خود پیدا نہیں کیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اس لئے تم پر شکر واجب ہے کیونکہ تم اگر ہر قسم کے شرک سے پاک ہوتے ہوئے صرف اللہ کی عبادت کرتے ہو تو شکر عبادت کا لازمی حصہ ہے۔ خدا تعالیٰ کی پاکیزہ نعمتوں پر شکر کئے بغیر عبادت کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

”یہاں یہ فرمایا کہ اگر تم صرف طیبات ہی استعمال کروگے تو اس کے نتیجہ میں تم اللہ تعالیٰ کا شکر بجالا سکو گے یعنی تمہیں ایسے نیک اعمال کی توفیق ملے گی جو تمہاری روح کو اللہ تعالیٰ کے آستانہ کی طرف کھینچ کر لے جائیں گے۔“

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 338 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 117

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرة:174)

شریعت کے احکامات اور قوانین کا مضمون جاری ہے اور حلال اور طیب کھانوں کی تاکید اور اس کلمہ کی حکمتیں بیان کی گئیں ہیں۔ آج کی آیت میں اس حکم کا ایک پہلو بیان کیا ہے اور وہ یہ کہ پھر کون سے کھانے قطعی حرام ہیں اور کیوں؟

فرماتا ہے کہ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ کہ اللہ تعالیٰ نے مردار حرام کیا ہے اور خون اور خنزیر کا گوشت اور وہ حرام کیا ہے جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا گیا ہو۔ یہ چار چیزیں قطعی حرام ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے چار قسم کی صلاحیتیں اور استعدادیں عطا فرمائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسم دیا ہے، بدن دیا ہے اور اس لئے دیا ہے کہ وہ اپنے جسم اور جسمانی طاقتوں اور صلاحیتوں سے اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت کرے اور مردار چونکہ جسم انسانی کی صحت و صلاحیت کے لئے نقصان دہ ہے اس لئے اس کو منع فرمایا ہے۔

دوسری اہم چیز جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے، دماغ ہے اور خون چونکہ انسانی دماغ میں جوش پیدا کرتا ہے اس لئے اس کو حرام قرار دیا ہے۔

تیسری قوت جو انسان کو دی گئی ہے وہ اخلاقی قوت ہے، اخلاقی پاکیزگی ہے اور جیسا کہ اب سائنسدان بھی اس بات کو تسلیم کرنے لگے ہیں کہ غذاؤں کا اثر انسان کے اخلاق پر بہت گہرا ہوتا ہے اس لئے خنزیر کے گوشت کو کھانے والی اقوام میں بعض قسم کی اخلاقی کمزوریاں نہ کھانے والی اقوام میں بہت زیادہ پائی جاتی ہیں۔

چوتھی چیز تقویٰ اور روحانیت ہے جس کی لطیف صلاحیت انسان کو دی گئی ہے اور شرک اور ایسے افعال سے منع کیا گیا ہے جو شرک کی طرف لے جائیں۔ اس آیت میں اس چیز کے کھانے سے منع کیا گیا ہے جو اللہ کے سوا کسی ہستی سے نامزد کی گئی ہو۔ ہاں مگر انتہائی اضطرار

کے وقت جب انسانی زندگی خطرہ میں ہو اس کو بچانے کے لئے ان چیزوں کے استعمال کی اجازت بغیر خواہش کے اور حقیقی ضرورت سے زیادہ استعمال کے، جائز ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اس لئے اس مجبوری کے استعمال کے مضر اثرات سے اللہ تعالیٰ کی صفت غفور اور رحیم محفوظ رکھنے والی ہے۔

(اس مضمون کی تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر کبیر جلد دوم از حضرت مصلح موعودؓ)

درس القرآن نمبر 118

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَکۡتُمُوۡنَ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰہُ مِنَ الۡکِتٰبِ وَ یَشۡتَرُوۡنَ بِہٖ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ۙ اُولٰٓئِکَ مَا یَاۡکُلُوۡنَ فِیۡ بُطُوۡنِہِمۡ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُکَلِّمُہُمُ اللّٰہُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ وَ لَا یُزَکِّیۡہِمۡ ۚۖ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی وَ الۡعَذَابَ بِالۡمَغۡفِرَۃِ ۚ فَمَاۤ اَصۡبَرَہُمۡ عَلَی النَّارِ ۔ ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ نَزَّلَ الۡکِتٰبَ بِالۡحَقِّ ؕ وَ اِنَّ الَّذِیۡنَ اخۡتَلَفُوۡا فِی الۡکِتٰبِ لَفِیۡ شِقَاقٍۭ بَعِیۡدٍ (البقرۃ:175 تا177)

تعلیم کتاب و حکمت یعنی احکام و قوانین شریعت کی تعلیم اور ان قوانین و احکامات شریعت کی حکمتیں بتانا جو سورۃ البقرۃ کے چار اہم مضامین میں سے دوسرا اور تیسرا مضمون ہے کی ابتداء آیت یٰۤاَیُّہَا النَّاسُ کُلُوۡا مِمَّا فِی الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَیِّبًا (البقرۃ:169) سے شروع ہو چکی ہے۔ اس مضمون کا ایک بہت اہم پہلو یہ ہے کہ بنی اسرائیل نے پہلے اور خود بعض مسلمانوں نے بعد میں حلت و حرمت کے احکامات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ بعض لوگوں نے حلال چیزوں کو حرام قرار دینے کی کوشش کی ہے اور بعض لوگوں نے حرام کو حلال ٹھہرانے پر پورا زور لگایا ہے اس لئے اس مضمون کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ یہ وضاحت ہو جائے کہ بنی اسرائیل کی الہامی کتاب میں جو قرآن شریف سے حلت و حرمت کے مسائل میں اختلاف ہے اس کی وجہ ان کا اصل تعلیم کو چھپانا ہے اور آئندہ کے مسلمانوں کو بھی وارننگ دے دی جائے کہ وہ شریعت کے احکامات کو چھپانے کی کوشش نہ کریں جیسے بعض مسلمان شراب کی حرمت کے حکم کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ بہانے بناتے ہیں کہ شراب کے بارہ میں لفظ حرام قرآن میں نہیں ہے۔ یقیناً وہ لوگ جو اسے چھپاتے ہیں جو کتاب میں سے اللہ نے نازل کیا ہے اور اس کے بدلے معمولی قیمت لے لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو آگ کے سوا اپنے پیٹوں میں کچھ نہیں جھونکتے اور اللہ ان سے قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب مقدر ہے۔ اس تسلسل میں فرماتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب۔ پس آگ پر یہ کیا ہی صبر کرنے والے ہوں گے۔ یہ اس لئے ہو گا کہ اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا ہے اور یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کتاب کے بارہ میں اختلاف کیا ہے وہ بہت دور کی مخالفت میں مبتلا ہیں۔

درس القرآن نمبر 119

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرۃ:178)

اگرچہ قرآن مجید کی ہر آیت اہم ہے مگر یہ آیت بعض لحاظ سے غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے اس کا تعلق گزشتہ مضمون سے بھی ہے اور اب جو مضمون شروع ہو رہا ہے اس سے بھی گہرا تعلق ہے۔ ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ قبلہ کی تبدیلی کے مضمون کے ذریعہ یہ بات واضح کی گئی تھی اب اسلام کا خدا ہی زندہ اور حقیقی خدا ہے اور رسول اکرم ﷺ ہی اب حقیقی رسول اور نبی ہیں اور قرآن مجید ہی حقیقتاً محفوظ الہامی کتاب ہے جس کی رہنمائی کے بعد سابقہ الہامی کتب کی الگ الگ پیروی کی ضرورت نہیں اور اب اسلامی شریعت ہی حقیقی شریعت ہے جو واجب العمل ہے۔ اب اس آیت میں اسلام کی تمام اعتقادی اور شرعی اور اخلاقی تعلیم کا خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہاں سے اسلامی شریعت کے احکامات کی تفاصیل کا بیان شروع ہو رہا ہے۔ قصاص، وصیت، روزہ، حج، عائلی تعلقات وغیرہ کے بارہ میں احکام کا بیان شروع ہو رہا ہے اس لئے بڑے لطیف انداز میں ان تمام مضامین کو اجمالاً بیان کیا گیا ہے، فرماتا ہے:۔

اعلیٰ درجہ کی نیکی یہ نہیں کہ تم اپنے رخ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو بلکہ اعلیٰ درجہ کی نیکی تو اس کی ہے جو اللہ پر ایمان لائے اور آخرت کے دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر۔ اور اللہ کی محبت رکھتے ہوئے پسندیدہ مال رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے آزاد کرنے کے لئے دے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ یہ لوگ ہیں جو اپنے عہد کو جب بھی وہ عہد کریں پورا کرتے ہیں اور تکلیفوں اور دکھوں کے دوران صبر کرنے والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے زبان اور عمل سے صدق دکھایا اور یہی لوگ ہی متقی ہیں۔

درس القرآن نمبر 120

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی فَمَنْ عُفِیَ لَهٗ مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَةٌ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (البقرۃ:179)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے سورۃ البقرۃ کے اس حصہ میں ہمارے نبی ﷺ کے عظیم کاموں میں سے دوسرے اور تیسرے کام کا بیان ہے یعنی تعلیم کتاب اور حکمت۔ قوانین اور احکام کا بیان اور ان کی حکمتوں کا بیان اور اس کی ابتدا آیت کُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا (البقرۃ:169) سے ہوئی ہے کیونکہ تمام احکام و قوانین پر عمل زندگی کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے اور زندہ رہنے کے لئے پہلی اور بنیادی چیز کھانا پینا ہے اس کے بعد زندہ رہنے کے لئے جان کے تحفظ کا انتظام ضروری ہے اور جان کا تحفظ نہیں ہو سکتا اگر قصاص کا نظام نہ ہو اگر قصاص کا نظام نہ ہو تو معاشرہ میں انسانی زندگی کی حفاظت کا تسلی بخش انتظام نہیں ہو سکے گا۔ اگر قاتل کو اپنے قتل کئے جانے کا ڈر نہ ہو تو وہ بے تکلف دوسروں پر حملہ کرتا رہے گا۔

مگر ساتھ ہی اس آیت میں قصاص کے نظام کو کچھ حدود کے ساتھ باندھا گیا ہے۔

پہلی بات تو لفظ قصاص میں ہی پائی جاتی ہے کہ کھوج اور تفتیش کے بعد قصاص نافذ ہونا چاہیئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انسان قصاص کے معاملہ میں برابر ہیں۔ کسی قبیلہ یا قوم یا رنگ والے کا یہ کہنا کہ ہمارا غلام تمہارے آزاد سے بڑھ کر ہے یا ہماری عورت تمہارے مرد سے بڑھ کر ہے اس لئے اس سے قصاص نہیں لیا جا سکتا، بالکل غلط ہے۔

تیسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ انسانی اخوت کے نتیجہ میں اگر کسی مقتول کے وارث قاتل کو معاف کر دیتے ہیں اور دیت پر راضی ہو جاتے ہیں تو قتل کرنے والوں کو معروف طریق کی پیروی کرتے ہوئے اور نیک طور سے اس کی ادائیگی ہونا چاہیئے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے رعایت اور رحمت ہے۔ پس جو اس کے بعد بھی زیادتی کرے تو اس کے لئے دردناک عذاب مقدر ہے۔

درس القرآن نمبر 121

وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرۃ:180)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے جس طرح انسانی زندگی کی حفاظت کے لئے کھانے پینے کی ضرورت ہے اس طرح انسانی جان کی حفاظت کے لئے قصاص کے نظام کی ضرورت ہے اس لئے عبادات اور احکامات شریعت کی تفاصیل کے بیان سے پہلے ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جو انسانی زندگی کی حفاظت کے لئے ضروری ہیں۔

اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔ ”فرماتا ہے اے عقلمندو! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے۔ اسے کبھی نہ چھوڑنا۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرنے والا تو مر گیا اب اگر اس کے قاتل کو قتل کر دیا جائیگا۔ تو مقتول تو زندہ نہیں ہو سکتا پھر قصاص میں حیات کس طرح ہوئی؟ سو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر قاتل کو قتل نہ کیا جائے تو بالکل ممکن ہے کہ کل وہ کسی دوسرے کو قتل کر دے اور پرسوں کسی اور کو مار ڈالے اس لئے فرمایا کہ قصاص میں زندگی ہے...... پھر اس رنگ میں بھی قصاص حیات کا موجب ہے کہ جب قاتل کو سزا مل جاتی ہے تو رشتہ داروں کے دلوں میں سے بُغض اور کینہ نکل جاتا ہے اور مقتول کی عزت قائم ہو جاتی ہے...... پس قصاص مقتول کی عزت قائم کرنے کا بھی ایک ذریعہ ہے...... اس آیت میں موجودہ زمانہ کے متعلق ایک پیشگوئی بھی پائی جاتی ہے...... اس میں بتایا گیا ہے۔ کہ ایک وقت آنے والا ہے جبکہ قصاص کو اڑانے کی تلقین کی جائیگی۔ اُس وقت تم مضبوطی سے اس تعلیم پر قائم رہنا جیسے آج کل بعض یوروپین ممالک میں اس قسم کی تحریکات وقتاً فوقتاً اٹھتی رہتی ہیں کہ موت کی سزا منسوخ ہونی چاہیے۔“ (تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 364، 365 مطبوعہ ربوہ)

پھر فرماتے ہیں:۔ ”لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ کے ایک اور معنے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مجھے سمجھائے ہیں اور وہ یہ ہیں کہ ان الفاظ میں یہ بتایا گیا ہے کہ زندگی کی تمہیں اس لئے ضرورت ہے کہ تم اور تقویٰ حاصل کر لو۔ گویا بتایا کہ بے فائدہ جان گنوانا اس لئے قابلِ احتراز ہے کہ یہ دنیا دارالعمل ہے اس میں رہنے سے آخرت کا توشہ انسان جمع کر لیتا ہے پس اس کی حفاظت بھی ضروری ہے تا کہ تم تقویٰ حاصل کر سکو۔ غرض ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے وجہ بتا دی کہ مومن باوجود آخرت پر ایمان رکھنے کے زندگی کی کیوں قدر کرتا ہے۔“ (تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 365 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 122

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۨالْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرۃ:181 تا 183)

عبادات اور شرعی قوانین و احکامات کے بارہ میں تفصیلی احکامات کے بیان سے پہلے انسانی جان کی حفاظت کے لئے یہاں تیسری ہدایت دی گئی ہے۔ پہلی ہدایت حلال اور طیب کھانے پینے کے بارہ میں تھی۔ دوسری ہدایت قصاص کے نظام کے بارہ میں تھی جو انسانی جان کے تحفظ کے لئے ضروری ہے۔

تیسری ہدایت آج کی آیات میں اس مالی نظام سے ہے جو فوت ہونے والوں کے مال، مکان، جائیداد سے زندہ رہنے والے مستفیض ہو رہے ہوتے ہیں۔ اس بارہ میں ہدایت ہے کہ مرنے والا موت سے پیشتر اپنی اولاد کو یہ تاکیدی ہدایت دے جائے کہ والدین اور دوسرے رشتہ دار اس کے مال سے خیر حاصل کر رہے تھے وہ معروف کے مطابق فائدہ اٹھاتے رہیں۔ یہ متقی لوگوں پر ایک ذمہ داری ہے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان آیات کا ترجمہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

”تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جس وقت تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاوے تو اگر اُس نے کچھ مال چھوڑا ہے تو چاہئے کہ ماں باپ کے لئے اس مال میں سے کچھ وصیت کرے ایسا ہی خویشوں کے لئے بھی معروف طور پر جو شرع اور عقل کے رُو سے پسندیدہ ہے اور مستحسن سمجھا جاتا ہے وصیت کرنی چاہئے یہ خدا نے پرہیز گاروں کے ذمہ ایک حق ٹھہرا دیا ہے جس کو بہر حال ادا کرنا چاہئے یعنی خدا نے سب حقوق پر وصیت کو مقدم رکھا ہے اور سب سے پہلے مرنے والے کے لئے یہی حکم دیا ہے کہ وہ وصیت لکھے۔ اور پھر فرمایا کہ جو شخص سننے کے بعد وصیت کو بدل ڈالے تو یہ گناہ اُن لوگوں پر ہے جو جرم تبدیل وصیت کے عمداً مرتکب ہوں۔

تحقیق اللہ سنتا اور جانتا ہے یعنی ایسے مشورے اُس پر مخفی نہیں رہ سکتے اور یہ نہیں کہ اُس کا علم ان باتوں کے جاننے سے قاصر ہے اور پھر فرمایا کہ جس شخص کو یہ خوف دامنگیر ہوا کہ وصیت کرنے والے نے کچھ کجی اختیار کی ہے یعنی بغیر سوچنے سمجھنے کے کچھ غلطی کر بیٹھا ہے یا کسی گناہ کا مرتکب ہوا ہے یعنی عمداً کوئی ظلم کیا ہے اور اُس نے اس بات پر اطلاع پاکر جن کے لئے وصیت کی گئی ہے اس میں کچھ مناسب اصلاح کر دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں تحقیق اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔"

(چشمۂ معرفت روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 210، 211)

درس القرآن نمبر 123

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرۃ:184)

جیسا کہ گزشتہ درسوں میں وضاحت کی گئی ہے سورۃ البقرۃ کے اس حصہ میں ابراہیمی دعا کے مطابق تعلیم کتاب اور حکمت کا مضمون جاری ہے پہلے تین ذرائع کا ذکر ہے جو انسانی جان کی حفاظت کرتے ہیں اب رمضان کے روزوں کا ذکر ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ رمضان کے روزوں سے پہلے نماز اور زکوٰۃ کا ذکر کیوں نہیں؟ یہاں ان دونوں کا ذکر نہ کرنا بھی قرآن مجید کی لطیف حکمت بتاتا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ حقوق اللہ اور حقوق العباد میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ رمضان اور حج ان کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں اور لئے سورۃ البقرۃ کے شروع میں ہی پہلے ایمان کا ذکر ہے جو دین میں بنیادی مقام رکھتا ہے اور پھر اس کی دو شاخوں یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کا ذکر ہے جیسا کہ فرمایا اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ:4) کہ متقی جو قرآن کو مانتے ہیں ان کی بنیادی صفات تین ہیں ایمان، اقامت صلوٰۃ اور جو اللہ نے دیا ہے اس کو مخلوق کی بہبودی کے لئے خرچ کرنا۔ پس نماز جو اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں سرفہرست ہے اور اللہ کا دیا ہوا خرچ کرنا جو بندوں کی بھلائی کے لئے سرفہرست ہے سے تو وہ قرآن کے ماننے والے کی زندگی کی ابتدا ہوتی ہے رمضان کے روزے اور حج وغیرہ نماز اور بندوں کی بھلائی کے مقابلہ میں دوسرا درجہ رکھتے ہیں۔ نماز اور بندوں کی بھلائی بہرحال ہر شخص پر فرض ہے جبکہ رمضان کے روزے اور حج صرف طاقت رکھنے والوں پر لازمی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”تیسری بات جو اسلام کا رکن ہے وہ روزہ ہے۔ روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اس کے حالات کیا بیان کرے۔ روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم

کھاتا ہے اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشااس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدنظر رکھنا چاہیئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اسے چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 102 مطبوعہ ربوہ)

پھر فرمایا:۔ "روزہ اور نماز ہر دو عبادتیں ہیں۔ روزے کا زور جسم پر ہے اور نماز کا زور روح پر ہے۔ نماز سے ایک سوزوگداز پیدا ہوتا ہے۔ اس واسطے وہ افضل ہے۔ روزے سے کشوف پیدا ہوتے ہیں مگر یہ کیفیت بعض دفعہ جوگیوں میں بھی پیدا ہو سکتی ہے لیکن روحانی گدازش جو دعاؤں سے پیدا ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شامل نہیں۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 292،293 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر124

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (البقرة:184) فرماتا ہے اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر روزے اسی طرح فرض کئے گئے ہیں جس طرح ان لوگوں پر فرض کئے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے یعنی یہ کوئی ایسا بوجھ نہیں جو تم پر ڈالا جارہا ہے۔ تمام مذہبی سلسلوں میں جن کی تعلیم خداتعالیٰ کی طرف سے آئی تھی روزوں کی عبادت مقرر کی گئی تھی۔ گویا یہ عبادت مذہبی دنیا کے بنیادی اور دائمی ارکان میں سے ہے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یہ عبادت تمہیں دکھ میں ڈالنے کے لئے نہیں خود تمہارے فائدہ کے لئے ہے۔ تمہاری جسمانی اور روحانی ترقیات کے لئے ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی ایک حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے کہ جس قدر کم کھاتا ہے اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی قوتیں بڑھتی ہیں۔" (ملفوظات جلد پنجم صفحہ 102 مطبوعہ ربوہ)

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ میں صرف روحانی شفاء اور ترقیات کی طرف اشارہ نہیں بلکہ جسمانی بہتری اور شفاء کی طرف بھی اشارہ ہے، اس بارہ میں حضرت مصلح موعودؓ بیان کرتے ہیں:۔

"آجکل کی تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ بڑھاپا یا ضعف آتے ہی اس وجہ سے ہیں کہ انسان کے جسم میں زائد مواد جمع ہو جاتے ہیں اور ان سے بیماری یا موت پیدا ہوتی ہے...... تھکان اور کمزوری وغیرہ جسم میں زائد مواد جمع ہونے ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ اور روزہ اس کے لئے بہت مفید ہے۔" (تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 375 مطبوعہ ربوہ)

پھر فرماتے ہیں:۔ "اسی طرح روزوں کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ مومنوں کو ایک مہینہ تک اپنے جائز حقوق کو بھی ترک کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ انسان گیارہ مہینے حرام چھوڑنے کی مشق کرتا ہے مگر بارہویں مہینہ میں وہ حرام نہیں بلکہ حلال چھوڑنے کی مشق کرتا ہے۔ یعنی روزوں کے علاوہ دوسرے ایام میں ہم یہ نمونہ دکھاتے ہیں کہ خداتعالیٰ کیلئے ہم کس طرح حرام چھوڑ سکتے ہیں۔ مگر روزوں کے ایام میں ہم یہ نمونہ دکھاتے ہیں کہ خداتعالیٰ کے لئے کس طرح حلال چھوڑ سکتے ہیں۔" (تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 380 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 125

اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ (البقرۃ:185)

رمضان المبارک میں روزے رکھنے کے ارشاد کے بعد فرمایا یہ بوجھ کوئی ایسا بوجھ نہیں جو انسانی طاقت سے باہر ہو گنتی کے چند دن ہیں سارا سال یا ساری زندگی کے لئے حکم نہیں۔ ہاں بیمار کے لئے یا مسافر کے لئے بوجھ ہو سکتا ہے اس لئے جو بیمار ہو یا سفر پر ہو وہ دوسرے دنوں میں روزہ رکھ کر گنتی پوری کر سکتا ہے وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ لیکن ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو دائمی طور پر اس ذمہ واری کو اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے تو وہ ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ کے دیں۔ فَمَنۡ تَطَوَّعَ خَيۡرًا فَهُوَ خَيۡرٌ لَّهٗ بے شک روزہ رکھنا ایک بوجھ نظر آتا ہے مگر جو شخص پوری بشاشت اور ذوق کے ساتھ نیکی کا کام کرتا ہے تو وہ نیکی اس کے لئے نیک نتائج پیدا کرنے والی ہوگی وَاَنۡ تَصُوۡمُوۡا خَيۡرٌ لَّكُمۡ اور تمہارا روزے رکھنا تمہیں تکلیف دینے کے لئے نہیں بلکہ سراسر تمہارے فائدے کے لئے ہے اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ اگر تم علم رکھتے ہو۔

حضرت مصلح موعودؓ اس آیت میں الفاظ وَعَلَى الَّذِيۡنَ يُطِيۡقُوۡنَهٗ فِدۡيَةٌ طَعَامُ مِسۡكِيۡنٍ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''ایک اور معنے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھ پر کھولے ہیں وہ یہ ہیں کہ يُطِيۡقُوۡنَهٗ میں ہٗ کی ضمیر روزہ کی طرف پھرتی ہے اور مراد یہ ہے کہ وہ لوگ جن کی بیماری شدید ہے یا جن کا سفر پُر مشقت ہے وہ تو بہرحال فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَيَّامٍ اُخَرَ کے مطابق دوسرے ایام میں روزے رکھیں گے۔ لیکن وہ لوگ جو کسی معمولی مرض میں مبتلا ہیں یا کسی آسانی سے طے ہونے والے سفر پر نکلے ہیں اگر وہ طاقت رکھتے ہوں تو ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ بھی دے دیا کریں۔ اس وجہ سے کہ ممکن ہے انہوں نے روزہ چھوڑنے میں غلطی کی ہو۔ وہ اپنے آپ کو بیمار سمجھتے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی بیماری ایسی نہ ہو کہ وہ روزہ ترک کر سکیں۔ یا وہ اپنے آپ کو

مسافر سمجھتے ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا سفر سفر ہی نہ سمجھا گیا ہو۔ پس چونکہ ان کی رائے میں غلطی کا ہر وقت امکان ہے اس لئے ایسے بیماروں اور مسافروں کو چاہیے کہ ان میں سے جو لوگ روزہ کی طاقت رکھتے ہوں وہ دوسرے ایام میں فوت شدہ روزوں کو پورا کرنے کے علاوہ ایک مسکین کو کھانا بھی دے دیا کریں۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 389 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر126

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

(البقرۃ:186)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے سورۃ البقرۃ کے اس حصہ میں حضرت مصلح موعودؓ کے علم قرآن کے مطابق احکام شریعت اور ان کے ساتھ ان کی حکمت بیان ہے۔ آج کی آیت سے پہلی دو آیات میں روزے رکھنے کی فرضیت کا ذکر تھا آج کی آیت میں اس حکم کی حکمت کا بیان ہے۔

دنیا کے لوگ اپنے یوم پیدائش کی، اپنی شادی کے دن کی، اپنے ملک کی کسی فتح وغیرہ کی سالگرہ مناتے ہیں۔ قرآن نے صرف ایک سالگرہ منانے کی ہدایت کی ہے اور وہ دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ اور سب سے بڑا بابرکت واقعہ یعنی قرآن شریف کے نزول کی ابتداء اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت۔ یہ ہے تاریخ انسانیت میں سب سے اہم، سب سے بابرکت، سب سے زیادہ انقلاب انگیز واقعہ، مگر اس واقعہ کی سالگرہ پارٹیوں اور شراب کے گلاسوں کے ساتھ نہیں بلکہ ریاضات، مجاہدات، عبادات اور دعاؤں کے ذریعہ۔ کیونکہ رمضان کے مہینہ میں قرآن نازل ہوا جس میں یہ تین عظیم الشان مضامین ہیں۔

هُدًى لِّلنَّاسِ یہ ساری انسانیت کے لئے ہدایت ہے جبکہ پہلی کتابیں ایک ملک یا قوم یا قبیلہ یا نسل کے لئے تھیں اور اس میں ایسے مضامین ہدایت کے ہیں جو سابقہ کتب میں نہیں تھے۔

وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى دوسرے اس میں ساری انسانیت کے لئے ہدایت کے دلائل ہیں جو سابقہ کتابوں میں موجود تھی مگر ان کی حکمت اور ان کے حق میں دلائل ان کتب میں موجود نہیں تھے۔

وَالْفُرْقَانِ اور قرآن مجید میں ان تمام اختلافات کا فیصلہ کن حل ہے جو سابقہ مذاہب میں اور سابقہ نظریات میں ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون کو نہایت لطافت سے بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں:۔

"یعنی قرآن میں تین صفتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ جو علوم دین لوگوں کو معلوم نہیں رہے تھے ان کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔ دوسرے جن علوم میں پہلے کچھ اجمال چلا آتا تھا۔ ان کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ تیسرے جن امور میں اختلاف اور تنازعہ پیدا ہو گیا تھا۔ ان میں قول فیصل بیان کر کے حق اور باطل میں فرق ظاہر کرتا ہے۔"

(براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 225)

(اس آیت کا مضمون جاری ہے)

درس القرآن نمبر 127

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الۡهُدٰی وَالۡفُرۡقَانِ فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ وَمَنۡ کَانَ مَرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنۡ اَیَّامٍ اُخَرَ یُرِیۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ وَلِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّةَ وَلِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمۡ وَلَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ

(البقرۃ:186)

جیسا کہ کل کے درس میں بیان ہوا تھا سورۃ البقرۃ کے اس حصہ احکام قرآنیہ اور ان کی حکمتیں بیان ہیں، پچھلی آیت میں روزوں کا حکم تھا اس آیت میں روزوں کی حکمت بیان ہے کہ یہ روزے رمضان میں اس سب سے بڑے انعام کے شکرانہ کے طور پر ہیں جو انعام انسانیت پر رمضان کے مہینہ میں نازل ہوا تھا۔ بعض قرآن کا ہمارے نبی ﷺ پر نزول جس کتاب میں ہدایت بھی ہے، ہدایت کی تفاصیل اور دلائل بھی ہیں اور پرانے بگڑے ہوئے مذاہب کے اختلافات کا فیصلہ بھی ہے فَمَنۡ شَهِدَ مِنۡکُمُ الشَّهۡرَ فَلۡیَصُمۡهُ پس جو تم میں سے اس مہینہ کو پائے اسے چاہیئے کہ وہ اس میں روزہ رکھے کیونکہ اس مہینہ کا قرآن کے نزول سے گہرا تعلق ہے۔

لیکن اگر مَنۡ کَانَ مَرِیۡضًا اَوۡ عَلٰی سَفَرٍ جو رمضان میں بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں گنتی پوری کرے کیونکہ اللہ کا مقصد تمہیں دکھ دینا نہیں یُرِیۡدُ اللّٰهُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ مقصد روزوں کا اذیت دینا نہیں اور بیماری اور سفر کی صورت میں پابندی بھی اس لئے بتائی گئی ہے کہ تمہیں سہولت ہو وَلَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ وہ تمہارے لئے تنگی نہیں چاہتا وَلِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّةَ رمضان میں سفر یا بیماری کی وجہ سے روزے نہ رکھو تو دوسرے ایام میں رکھ کر گنتی پوری کرلو یعنی جس حد تک حکم کی تعمیل کرسکتے ہو کرو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدایت کے لئے قرآن جیسی کتاب رسول اللہ ﷺ جیسے رسول پر نازل کی ہے تمہاری ہدایت کے لئے کتنا بڑا اسامان کیا ہے اس لئے لِتُکَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰی مَا هَدٰىکُمۡ تمہارا بھی فرض ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے تمہاری ہدات کے لئے اتنا بڑا احسان کیا ہے تم بھی اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا اظہار کرو اور اس احسان کی جو تم پر ہوا ہے لَعَلَّکُمۡ تَشۡکُرُوۡنَ تم خدا تعالیٰ کا شکر اور اس کے احسان کی قدردانی کرو۔

درس القرآن نمبر 128

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (البقرۃ:187)

رمضان کے روزوں کی فرضیت اور اس کے مسائل بیان کرتے ہوئے اور روزوں کے فوائد اور حکمتیں بیان کرتے ہوئے آج کی آیت میں ایک بہت اہم مضمون بیان فرمایا ہے۔

جس کا رمضان سے بہت گہرا تعلق ہے اور وہ ہے کیا خدا ہے اور اگر ہے تو کہاں ہے؟ فرماتا ہے کی جب میرے بندے تم سے میرے بارہ میں سوال کریں کہ خدا کہاں ہے تو فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ میں دور نہیں ہوں میں قریب ہوں اور اس کی ہستی کا ثبوت، اس کے قریب ہونے کا ثبوت وہی ہے جو ہر کسی انسان کے بارہ میں تم ثبوت سمجھتے ہو جس طرح تم کسی انسان کو آواز دیتے ہو اور وہ تمہاری بات کا جواب دیتا ہے یہی ثبوت خدا کی ہستی اور پھر اس کے قریب ہونے کا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"جب میرا بندہ میری بابت سوال کرے۔ پس میں بہت ہی قریب ہوں۔ میں پکارنے والے کی دعا کو قبول کرتا ہوں جب وہ پکارتا ہے۔ بعض لوگ اس کی ذات پر شک کرتے ہیں۔ پس میری ہستی کا نشان یہ ہے کہ تم مجھے پکارو اور مجھ سے مانگو۔ میں تمہیں پکاروں گا اور جواب دوں گا اور تمہیں یاد کروں گا۔ اگر یہ کہو کہ ہم پکارتے ہیں پر وہ جواب نہیں دیتا تو دیکھو کہ تم ایک جگہ کھڑے ہو کر ایک ایسے شخص کو جو تم سے بہت دور ہے پکارتے ہو اور تمہارے اپنے کانوں میں کچھ نقص ہے۔ وہ شخص تو تمہاری آواز سنکر تم کو جواب دیگا مگر جب وہ دور سے جواب دے گا تو تم بہ باعث بہرہ پن کے سن نہیں سکوگے۔ پس جوں جوں تمہارے درمیانی پردے اور حجاب اور دوری دور ہوتی جاوے گی، تو تم ضرور آواز کو سنوگے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 176،175 مطبوعہ ربوہ)

اور اس دوری اور بہرہ پن کا علاج یہ بتایا جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

"وہ صرف اس شخص کی پکار کو سنتا ہے جسے یہ احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ پر ہی سب ذمہ

داری نہیں بلکہ مجھ پر بھی کچھ ذمہ داری ہے...... پس فرمایا فَلْيَسْتَجِيبُوا لِيْ میں ہر اس دعا کو سنتا ہوں جس کا کرنے والا پورے طور پر میرے احکام پر عمل کرے اور پھر اُسے مجھ پر پورا یقین بھی ہو...... پس فرمایا وَلْيُؤْمِنُوا بِيْ جو مجھ پر یقین رکھتا ہے اور میرے منشا کے مطابق دُعا کرتا ہے میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں...... پھر فرماتا ہے لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ اس کے نتیجہ میں یقیناً وہ کامیاب ہونگے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 406،407 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 129

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (البقرۃ:188)

قرآن شریف کا ایک طریق یہ ہے کہ کسی حکم یا مسئلہ کے بیان پر اگر کوئی اعتراض پیدا ہو تو بغیر اس اعتراض کا واضح ذکر کرنے کے اس کا جواب دے دیتا ہے۔ رمضان سے پہلے کھانا پینا، قصاص اور وصیت کے مضامین کا ایک پہلو یہ تھا کہ انسانی زندگی اور جان کی حفاظت کے لئے قوانین بنائے جائیں۔ اس مضمون کے بعد رمضان میں کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات کی پابندیوں کی وجہ سے یہ اعتراض پیدا ہو سکتا تھا کہ ان پابندیوں کی وجہ سے انسانی جان کے تحفظ اور نوع انسان کی بقاء خطرہ میں تو نہیں پڑے گی اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ پابندیاں صرف دن کے وقت ہیں رات کو ازدواجی تعلقات کی بھی اجازت ہے اور کھانے پینے کی بھی اجازت ہے، فرماتا ہے تمہارے لئے روزہ رکھنے کی رات میں اپنی بیویوں سے تعلقات جائز قرار دیئے گئے ہیں۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو اس لئے جس طرح لباس سردی گرمی وغیرہ سے بچاؤ اور آرام کا ذریعہ بنتا ہے تمہیں بھی ایک دوسرے کے لئے بچاؤ اور آرام کا ذریعہ بننا چاہیئے اور جس طرح لباس زینت کا باعث ہے تمہیں بھی ایک دوسرے کے لئے زینت کا باعث ہونا چاہیئے اور جس طرح لباس پردہ پوشی کرتا ہے تمہیں بھی ایک دوسرے کی پردہ پوشی کرنا چاہیئے اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم اپنے آپ کی اور اپنوں کی حق تلفی کرتے رہے ہو پس وہ تم پر رحمت کے ساتھ جھکا اور تم سے درگزر کی، اب ان سے ازدواجی تعلقات قائم کر سکتے ہو اور جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حق میں لکھ دیا ہے اس کی طلب کرو اور کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ فجر کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے نمایاں ہو جائے اور تم ان سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کرو جب کہ تم مساجد میں اعتکاف بیٹھے ہوئے ہو۔ یہ اللہ کی حدود ہیں پس ان کے قریب بھی نہ جاؤ اس طرح اللہ اپنی آیات کو لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے تا کہ وہ تقویٰ اختیار کریں۔

درس القرآن نمبر 130

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (البقرۃ:189)

رمضان المبارک کے روزوں کی فرضیت اور روزوں کے مسائل اور ان کی حکمتوں کو اس آیت پر ختم کیا ہے جو ایک نہایت اہم، نہایت ضروری اور نہایت بابرکت اور مفید بات پر مشتمل ہے۔ اور وہ یہ کہ رمضان کے روزوں کے ذریعہ تمہیں یہ ٹریننگ دی گئی ہے کہ وہ چیزیں جو تمہارے لئے حلال بلکہ تمہاری زندگی کے لئے بنیادی طور پر ضروری ہیں ان کو بھی چھوڑ دو تو پھر کتنا بڑا گناہ ہوگا اگر تم ایک دوسرے کے مال ناجائز طریق سے کھاؤ۔ گویا یہ آیت رمضان کے روزوں کے مسائل کا لازمی جزو ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

"یعنی آپس میں ایک دوسرے کے مال کو ناجائز طور پر مت کھایا کرو اور نہ اپنے مال کو رشوت کے طور پر حکام تک پہنچایا کرو۔ تا اس طرح پر حکام کی اعانت سے دوسرے کے مالوں کو دبالو۔" (اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 347)

حضرت مصلح موعودؓ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مراد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے مال باطل کے ساتھ مت کھاؤ۔ انسان دوسرے کا مال کئی طرح کھاتا ہے۔ **اوّل** جھوٹ بول کر۔ **دوم** ناجائز ذرائع سے چھین کر۔ **سوم** سود کے ذریعہ سے۔ **چہارم** رشوت لے کر۔ یہ سب امور باطل میں داخل ہیں۔ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ میں بتایا کہ جس طرح آپس میں ایک دوسرے کا مال کھانا ناجائز ہے۔ اسی طرح تم حکام کو بھی روپیہ کا لالچ نہ دو تا کہ اس ذریعہ سے تم دوسرے کا مال کھا سکو۔ اس آیت میں افسران بالا کو رشوت دینے کی ممانعت کی گئی ہے اور اُسے حرام اور ناجائز قرار دیا گیا۔

دوسرے معنے اس آیت کے یہ ہیں کہ اپنے مالوں کو حکام کے پاس نہ لے جاؤ تا کہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم گناہ کے ذریعہ کھا جاؤ یعنی ان کے متعلق جھوٹے مقدمات دائر نہ کرو۔ اور یہ نہ سمجھو کہ اگر حاکم انصاف کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے تمہیں کسی کا حق دلا دے گا تو وہ تمہارے لئے جائز ہو جائیگا۔" (تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 415 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 131

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

(البقرۃ:190)

رمضان کی عبادت اور اس کے احکامات اور اس پر اعتراضات کا جواب دے کر اب حج کی عبادت کا ذکر شروع ہونے والا ہے۔ اس سے پہلے جیسا کہ قرآن شریف کا طریق ہے۔ ضمناً پیدا ہونے والے سوالات کا جواب دیتا ہے۔ اس آیت میں ابتدائی راتوں کے چاندوں کے بارہ میں سوال کا جواب دیا ہے کیونکہ رمضان کا تعلق بھی ان چاندوں سے ہے اور حج کا تعلق بھی ان چاندوں سے ہے۔ اور بعض سابقہ بگڑے ہوئے مذاہب میں چاند کو دیوتا کا مقام دیا جاتا تھا اس لئے یہ خطرہ بھی ہو سکتا تھا کہ ان مذاہب سے آنے والے نئے مسلمان چاند کو رمضان اور حج کی عظیم عبادتوں سے تعلق کی وجہ سے کوئی غیر معمولی مقام نہ دے دیں۔ جس طرح زرتشتی مذہب میں شعریٰ ستارہ کو قریباً الوہیت کا درجہ دے دیا گیا تھا اس لئے رمضان کے ذکر کے بعد اور حج کے ذکر سے پہلے اس آیت میں اس خطرہ کو دور کر دیا گیا ہے، فرماتا ہے لوگ آپؐ سے نئی راتوں کے چاندوں کے بارہ میں سوال کریں گے تو یاد رکھو کہ ان کی حیثیت گھڑیوں کی ہے نہ وہ معبود ہیں نہ ان کو عبادات رمضان اور حج کی وجہ سے کوئی مقام الوہیت حاصل ہے تم کہو کہ یہ ابتدائی راتوں کے چاند صرف لوگوں کی سرگرمیوں کے اوقات کی تعیین کا ذریعہ ہیں اور حج کے متعدد ارکان کے وقت کی تعیین بھی ان کے ذریعہ ہوتی ہے اس لئے ان گھڑیوں کو خدا نہ بنالینا۔

قرآن مجید کے اس بنیادی مضمون کو جو توحید کا مضمون ہے اور جس کو قرآن شریف کئی رنگ میں بار بار بیان کرتا ہے یہاں ایک بڑی زبردست دلیل کو بڑے سادہ الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے اور وہ دلیل یہ ہے وَ لَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى وَ اْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا کہ یہ کوئی نیکی نہیں کہ گھروں میں دیواروں پر سے کود کر نہ جایا کرو بلکہ گھروں میں گھروں کے دروازہ میں سے جاؤ۔ بلکہ نیکی اسی کی ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور

گھروں میں ان کے دروازوں سے داخل ہوا کرو۔

اس بظاہر سادہ مگر حقیقتاً نہایت گہری معرفت کی بات میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر کام کو سرانجام دینے کے جو صحیح طریق مقرر کئے گئے ہیں تم ان سے کام لو ورنہ تمہیں کامیابی حاصل نہ ہو گی۔ اس میں یہ اشارہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کو پانے کا صحیح ذریعہ تقویٰ ہے نہ کہ چاند کو خدا بنالینا۔

وَاتَّقُوااللّٰہَ لَعَلَّکُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو۔

درس القرآن نمبر132

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ

(البقرۃ:191)

رمضان کے روزوں کی عبادت کے احکام و ہدایات کے بعد بظاہر نظر حج و عمرہ کی عبادت کا ذکر مقصود تھا مگر اس سے پہلے قتال کا ذکر ہے جو بظاہر بے ربط معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً اس میں بہت گہری ترتیب ہے۔

اس آیت میں فرماتا ہے اللہ کی راہ میں صرف ان لوگوں سے لڑائی کرو جو تم سے لڑتے ہیں اور جارحیت کا ارتکاب نہ کرو اللہ تعالیٰ جارحیت کا ارتکاب کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اب رمضان کے بعد حج اور عمرہ کی عبادات کے ذکر سے پہلے یہ آیت لائی گئی ہے کہ ہرگز ان لوگوں سے لڑائی نہ کرو جنہوں نے لڑنے میں تم سے سبقت کی ہے۔ حج اور عمرہ کے بیان سے پہلے ایسے دشمن سے جو حملہ میں ابتداء نہیں کرتا، نہ لڑنے کا حکم دیا کیونکہ حج و عمرہ کی عبادت مکہ میں کی جاتی تھی اور مکہ والے باوجود اس کے کہ مکہ کی عبادتگاہوں کے متوّلی ہونے کے فرائض کے لحاظ سے اس بات کے پابند تھے کہ وہ کسی کو حج و عمرہ سے نہ روکیں، وہ دھاندلی کرتے ہوئے مسلمانوں کو روکتے تھے۔ اس لئے لازماً مسلمانوں کو یہ غلط فہمی ہو سکتی تھی کہ اب جو ان پر حج اور عمرہ فرض ہو چکا ہے وہ مکہ جانے اور اگر اس کے راستہ میں روک ہو تو لڑائی کے ذریعہ اپنا حق لینے کے مجاز ہیں اس لئے حج اور عمرہ کی فرضیت سے یہ نتیجہ نہ نکال لینا کہ تمہیں اب حملہ کرنے کی اجازت مل گئی ہے، تمہیں لڑائی کی اجازت صرف انہی سے ہے جو تم سے لڑیں۔ اس آیت میں اس غلط تصور کی پورے طور پر نفی ہے جو آج کل جہاد کے نام پر بعض لوگوں میں راسخ ہے اور پھر مزید زیادتی یہ ہے کہ جہاد کا یہ تصور ان کے خلاف نہیں جو علی الاعلان اپنے آپ کو غیر مسلم کہتے ہیں بلکہ ان کے خلاف جو علی الاعلان اپنے آپ کو مسلم کہتے ہیں تمام عقائد اسلام کا اقرار کرتے ہیں بلکہ یہ لوگ مسلمانوں کو پہلے غیر مسلم قرار دیتے ہیں پھر ان پر جارحانہ حملے کرتے ہیں، اللہ رحم کرے۔

درس القرآن نمبر 133

وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ اَخۡرَجُوۡكُمۡ وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوۡكُمۡ فِيۡهِ فَاِنۡ قٰتَلُوۡكُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ (البقرۃ:192،193)

گزشتہ درس میں ذکر ہو چکا ہے کہ حج کے ذکر سے پہلے جنگ کے احکام بیان کر کے وضاحت کر دی کہ حج اور عمرہ کی فرضیت کی بناء پر تمہیں اے مسلمانو! مکہ میں داخل ہونے کے لئے جارحانہ جنگ کی اجازت نہیں۔ لڑائی صرف ان سے کر سکتے ہو جو تم سے لڑتے ہیں، تم پر حملہ آور ہیں، آج کی آیت میں یہ بتایا کہ دشمن کی فوج سے مٹھ بھیڑ ہو تو قتل کی اجازت ہے، حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

"اور حَيۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ میں اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ جہاں کہیں بھی تمہاری اور ان کی جنگ کے ذریعہ سے مٹھ بھیڑ ہو جائے وہاں تم ان سے جنگ کرو۔ یہ نہیں کہ اِکا دُکا ملنے پر حملہ کرتے پھرو۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 424 مطبوعہ ربوہ)

پھر فرمایا وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ حَيۡثُ اَخۡرَجُوۡكُمۡ کہ انہوں نے تمہارے گھروں سے، تمہارے وطن سے، تمہاری جائیدادوں سے، بغیر تمہارے کسی قصور اور جرم کے نکالا۔ اس لئے اگر وہ حملہ آور ہو تو تمہیں بھی قانوناً اختیار ہے۔ بے شک یہ قتل کی اجازت جو تمہیں دی جا رہی ہے بڑا بھاری کام ہے مگر جو فتنہ وفساد تمہارے دشمنوں نے کیا تمہارے آدمی بے قصور قتل کئے تمہیں گھروں اور وطن سے نکالا۔ تمہیں ہر قسم کے بنیادی حقوق سے محروم کیا یہ فتنہ جو انہوں نے شروع کیا اور مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں۔ چند آدمیوں کے قتل سے زیادہ خطرناک ہے اگر تمہارے دشمن یہ اعتراض کریں کہ تمہاری جنگ سے بیت اللہ کی بے حرمتی ہوئی ہے تو یاد رکھو اس کی ابتداء بھی تمہاری طرف سے نہیں ان کی طرف سے ہوئی ہے۔

وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ تمہیں تو یہ بھی اجازت نہیں کہ مقدس مسجد کے

قریب بھی لڑو حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ سوائے اس کے کہ اس مقدس مقام میں تم سے لڑیں فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ پس اگر وہ تمہیں قتل کرنے کے لئے لڑتے ہیں تو تمہیں ان کو قتل کرنے کی اجازت ہے كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ یہ ان پر ظلم نہیں بلکہ ان کو جو صلح کا، محبت اور امن کا پیغام دیا گیاہے اس کا وہ انکار کر رہے ہیں اس لئے ایسے لوگوں کو یہی سزا دی جاسکتی ہے مگر تمہیں زیادتی کی، جارحیت کی ہر گز اجازت نہیں فَاِنِ انْتَهَوْا اگر وہ باز آجاتے ہیں فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو اللہ نہ صرف گناہ بخش دیتاہے بلکہ رحم بھی فرماتا ہے۔

درس القرآن نمبر 134

وَ قٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّ يَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ (البقرۃ:194)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے سورۃ البقرۃ کے اس حصہ میں احکام شریعت اور ان کی حکمتیں بیان ہیں۔ قتال کی اجازت کے ساتھ اب اس کی حکمت بتائی گئی ہے۔ دنیا کی لڑائی دولت کے لئے ہوتی ہے، علاقائی وسعت کے لئے ہوتی ہے، ظلم کے لئے ہوتی ہے یہ سب فتنے ہیں فرماتا ہے قَاتِلُوۡهُمۡ ان سے لڑو مگر دین تو ہوتا ہی خدا کے لئے ہے جب تک وہ اپنی مرضی کے دین کو منوانے کے لئے جبر کریں ان سے لڑائی کر سکتے ہو اور صرف اس وقت لڑ سکتے ہو جب تک یہ فتنہ قائم ہے جب یہ فتنہ اٹھ جائے وَّ يَكُوۡنَ الدِّيۡنُ لِلّٰهِ دین کسی جبر اور دباؤ اور ظلم کے بجائے اللہ کے لئے اس کا ماننا یا نہ ماننا ہو تب لڑائی بند ہو جائے۔

فَاِنِ انۡتَهَوۡا پس اگر وہ رک جائیں دین کے لئے جبر واستبداد کا فتنہ نہ ڈالیں فَلَا عُدۡوَانَ تو کسی قسم کی زیادتی کی اجازت نہیں اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيۡنَ زیادتی کی سزا تو صرف ان کو دی جا سکتی ہے جو ظلم کرنے والے ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

”بعض لوگ جن کو حق کے ساتھ دشمنی ہوتی ہے جب ایسی تعلیم سنتے ہیں تو اور کچھ نہیں تو یہی اعتراض کر دیتے ہیں کہ اسلام میں اگر ہمدردی کی تعلیم ہوتی تو آنحضرت ﷺ لڑائیاں کیوں کرتے۔ وہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ آنحضرت ﷺ نے جو جنگ کئے وہ تیرہ (13) برس تک خطرناک دکھ اور تکلیف پر تکلیف اٹھانے کے بعد کئے اور وہ بھی صرف مدافعت کے طور پر۔ تیرہ (13) برس تک ان کے ہاتھوں سے آپ تکالیف اٹھاتے رہے۔ ان کے عزیز دوست اور یاروں کو سخت سخت عذاب دیا جاتا رہا اور جور و ظلم کا کوئی بھی ایسا پہلو نہ رہا جو کہ مخالفوں نے ان کے لئے نہ برتا ہو۔ یہاں تک کہ کئی مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ان کے ہاتھ سے شہید بھی ہو گئے اور ان کے ہر وقت کے ایسے شدید ظلموں سے تنگ آ کر بحکم الٰہی

شہر بھی چھوڑنا پڑا۔ جب مدینہ منورہ کو تشریف لے گئے اور وہاں بھی ان ظالموں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ جب ان کے ظلموں اور شرارتوں کی بات انتہا تک پہنچ گئی تو خدا تعالیٰ نے مظلوم قوم کو اس مظلومانہ حالت میں مقابلہ کا حکم دیا اور وہ بھی اس لئے کہ شریر اپنی شرارت سے باز آجاویں اور ان کی شرارت سے مخلوقِ خدا کو بچایا جاوے اور ایک حق پرست قوم اور دین حق کے لئے ایک راہ کھل جاوے۔"

("تقریرین بمقام قادیان29و30دسمبر1904ءبتقریب جلسہ سالانہ" صفحہ28بار دوم دسمبر1922ءمطبوعہ قادیان)

درس القرآن نمبر 135

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ:195)

عرب میں عموماً اور بیت اللہ کے قریب کے علاقہ میں خصوصاً سال کے کچھ مہینوں کو بیت اللہ کے قریب کچھ علاقے کو خاص احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اور ان مہینوں میں جنگ کو اور اس علاقہ میں جنگ کو انتہائی بڑا گناہ سمجھا جاتا تھا۔ یہ تصور چونکہ جنگ وجدل اور خونریزی سے بچنے کے ذرائع میں سے ایک ذریعہ تھا اور مقدس مقامات کے تقدس کو مضبوطی سے قائم رکھنے کا ایک ذریعہ تھا اس لئے اسلام میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس تقدس کو قائم رکھا اور اب جو دشمن کے مقابلہ کے لئے دفاعی جنگ کی اجازت دی جارہی تھی اس حرمت کو قائم رکھنے کا ارشاد فرمایا لیکن ایک خطرہ بھی تھا کہ قریش مکہ جو مسلمانوں کے خلاف ہر قسم کی ظالمانہ کاروائیوں کی تاک میں رہتے تھے وہ اس حرمت سے فائدہ اٹھا کر دھوکہ دیتے ہوئے ان مقدس مہینوں میں اور اس مقدس علاقہ میں مسلمانوں پر حملہ نہ کردیں۔ اس لئے اس آیت میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی کہ کفار کے حملہ کی صورت میں جو قابل احترام مہینہ میں ہو یا قابل احترام علاقہ میں ہو دفاعی جنگ کی اجازت ہے۔

فرمایا اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ یعنی اگر دشمن حرمت والے مہینہ میں جنگی کاروائی کرتا ہے تو حرمت والے مہینہ میں تمہارے لئے دفاعی کاروائی جائز ہے وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ اگر قابل حرمت علاقہ میں دشمن تم پر حملہ کرتا ہے تو تمہیں قصاص کی اجازت ہے فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ جو زیادتی کوئی تم پر کرتا ہے اس کی سزا تم زیادتی کرنے والے کو دے سکتے ہو۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ مگر اللہ سے ڈرتے رہو اس اجازت سے غلط فائدہ نہ اٹھانا اگر خدا کا ڈر رکھتے ہوئے اس کی اجازت پر عمل کروگے تو یاد رکھو اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ اللہ تعالیٰ کی مدد تمہارے شامل حال ہوگی، اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

درس القرآن نمبر136

وَ اَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّہۡلُکَۃِ وَ اَحۡسِنُوۡا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ (البقرۃ:196)

قتال کی اجازت اور اس کے بارہ میں ضروری ہدایات اور حکمتوں کا مضمون اس آیت پر ختم ہوتا ہے جس میں قتال کا ایک پہلو بیان ہے اور وہ ہے جنگ کے لئے اخراجات کے مہیا ہونے کا مضمون۔ ظاہر ہے کہ جنگ کا ملکی اور قومی معاشیات سے گہرا تعلق ہے اور اس کا اثر تمام معاشرے پر پڑتا ہے اگر جنگ کے موقعہ پر کوئی ملک معاشی طور پر اپنی جنگوں کے لئے سامان مہیا نہیں کر سکتا تو اس کی شکست لازمی ہے اور وہ خود اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے اس لئے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

''اس آیت کا مفہوم سمجھنے میں لوگوں کو بڑی غلط فہمی ہوئی ہے۔ انہیں خدا تعالیٰ کی راہ میں جہاں کوئی تکلیف پیش آتی ہے وہ فوراً کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے ہم اس میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں۔ حالانکہ اس کے ہرگز یہ معنے نہیں کہ جہاں موت کا ڈر ہو وہاں سے مسلمان کو بھاگ جانا چاہیے اور اسے بزدلی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کے معنے یہ ہیں کہ جب دشمن سے لڑائیاں ہو رہی ہوں تو اس وقت اپنے مالوں کو خوب خرچ کرو۔ اگر تم اپنے اموال کو روک لوگے تو اپنے ہاتھوں اپنی موت کا سامان پیدا کروگے۔ چنانچہ احادیث میں حضرت ابوایوبؓ انصاری سے مروی ہے کہ انہوں نے اس وقت جب کہ وہ قسطنطنیہ فتح کرنے کیلئے گئے ہوئے تھے کہا کہ یہ آیت ہم انصار کے بارہ میں نازل ہوئی تھی اور پھر انہوں نے بتایا کہ پہلے تو ہم خدا تعالیٰ کے رستہ میں اپنے اموال خوب خرچ کیا کرتے تھے۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے اپنے دین کو تقویت اور عزت دی اور مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوا تو قُلْنَا هَلْ نُقِيمُ فِيْ اَمْوَالِنَا وَنُصْلِحُهَا (ابوداؤد جلد اوّل کتاب الجہاد) ہم نے کہا کہ اگر اب ہم اپنے مالوں کی حفاظت کریں اور اسے جمع کریں تو یہ اچھا ہوگا۔ اس وقت یہ آیت اُتری کہ اللہ

تعالیٰ کے راستہ میں اپنے اموال خرچ کرنے سے دریغ نہ کرو کیونکہ اگر تم ایسا کرو گے تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالنا چاہتے ہو...... وَ اَحۡسِنُوۡا اور اپنے فرائض کو عمدگی سے ادا کرو۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 429 مطبوعہ ربوہ)

پھر فرماتے ہیں:۔"پھر فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ اگر تمہارے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ پھر ہماری کمائی کا صلہ ہم کو کیا ملا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا صلہ مال سے زیادہ ملے گا۔ اور وہ تمہارے پیدا کرنے والے خدا کی محبت ہے۔ تمہاری دنیا کے ساتھ تمہاری عاقبت بھی درست ہو جائیگی۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 431 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 137

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ (البقرۃ:197)

جیسا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ایک القاء کے نتیجہ میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ سورۃ البقرۃ میں چار بنیادی مضامین ہیں۔

(1) تلاوت آیات (2) کتاب (3) اور حکمت (4) تزکیہ

یہ حصہ جس کا آج کل درس جاری ہے "کتاب و حکمت" سے تعلق رکھتا ہے یعنی اسلامی شریعت مسلمانوں کو کیا حکم دیتی ہے اور کیوں دیتی ہے۔ اس میں نماز، زکوٰۃ، روزہ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ اب حج اور عمرہ کا ذکر شروع ہو رہا ہے اور جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے خلفاء نے فرمایا ہے کہ اسلامی عبادات میں جہاں خادمانہ رنگ کی اطاعت پائی جاتی ہے وہاں اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں کی طرف سے اللہ کے لئے عشق و محبت کا اظہار بھی ملتا ہے اور یہ پہلو حج اور عمرہ میں بہت نمایاں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"حج میں محبت کے سارے ارکان پائے جاتے ہیں بعض وقت شدّت محبت میں کپڑے کی بھی حاجت نہیں رہتی۔ عشق بھی ایک جنون ہوتا ہے کپڑوں کو سنوار کر رکھنا یہ عشق میں نہیں رہتا........ غرض یہ نمونہ جو انتہائے محبت کے لباس میں ہوتا ہے وہ حج میں موجود ہے۔ سر منڈایا جاتا ہے، دوڑتے ہیں، محبت کا بوسہ رہ گیا وہ بھی ہے، جو خدا کی ساری شریعتوں میں تصویری زبان میں چلا آیا ہے، پھر قربانی میں بھی کمال عشق دکھایا ہے۔ اسلام نے پورے طور پر ان حقوق کی تکمیل کی تعلیم دی ہے۔" (ملفوظات جلد دوم صفحہ 225 مطبوعہ ربوہ)

(اس آیت کا مضمون جاری ہے)

درس القرآن نمبر138

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ اور اللہ کے لئے حج اور عمرہ کو پورا کرو فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ اگر تم روک دیئے جاؤ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ تو جو بھی قربانی میسر آئے کر دو وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ اور اپنے سروں کو نہ منڈاؤ یہاں تک کہ قربانی اپنی ذبح کی مقررہ جگہ پر پہنچ جائے فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا پس اگر تم سے کوئی مریض ہو اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ تو کچھ روزوں کی صورت میں، یا صدقہ دے کر یا قربانی پیش کر کے فدیہ دینا ہو گا۔

فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ پس جب تم امن میں آجاؤ تو جو بھی عمرہ کو حج سے ملا کر فائدہ اٹھانے کا ارادہ کرے تو چاہیئے کہ جو بھی اسے قربانی میسر آئے کر دے فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ اور جس کو توفیق نہ ہو فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ تو اسے حج کے دوران تین دن کے روزے رکھنے ہوں گے وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ اور سات دن کے جب تم واپس چلے جاؤ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ یہ دس دن مکمل ہوئے ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یہ حکم اس کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے قریب رہنے والے نہ ہوں۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو وَاعْلَمُوْۤا اور جان لو اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ کہ اللہ سزا میں بہت سخت ہے۔ (البقرۃ:197)

اس آیت اور اس سے اگلی آیات میں تفصیل کے ساتھ اس عبادت کی بنیادی اور ضروری باتیں درج ہیں اس عبادت کا تعلق اس گھر سے ہے جو اللہ کا گھر قرار دیا گیا ہے جس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو وہ امن اور تسکین عطا کرے جو ایک گھر اس میں رہنے والوں کو دیتا ہے اور جہاں جا کر جانور کی قربانی تصویری زبان میں اپنے نفس کی قربانی محبت اور پیار کے ساتھ خدا کے حضور پیش کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنے سر کے بال منڈا کر گویا ایک نئی زندگی حاصل کرتا اور بچے کی طرح ایک نئی زندگی شروع کرتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی وضاحت ہے کہ اگر باوجود جذبہ اور خواہش کے وہ اس گھر تک پہنچ نہیں پاتا تو جہاں بھی اسے مجبوراً رکنا پڑے اس کی نیت کا پھل اسے مل جائے گا اور اگر وہ حج کے بعض تفصیلی احکامات کو توفیق نہ ملنے کی وجہ سے ادا نہیں کر سکا تو فدیہ، روزے یا صدقہ یا قربانی کے ذریعہ اس کی تلافی کر سکتا ہے۔

درس القرآن نمبر 139

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَ تَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ

(البقرۃ:198)

حج کی عالمگیر اجتماعی عبادت کے حکم اور اس کے بارہ میں مسائل اور ہدایات کا تذکرہ جاری ہے اور چونکہ یہ عبادت اسلام سے قبل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے جاری تھی اور لوگ اس کے طریق سے واقف تھے اس لئے تفصیلی طریق حج کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لئے قرآن شریف میں طواف بیت اللہ، سعی صفا و مروۃ، قربانی، عرفات اور مزدلفہ کا ذکر کرکے حج کے سابقہ طریق کے بنیادی ارکان کی تصدیق کردی ہے۔ قرآن شریف کا کمال یہ ہے کہ بنیادی امور کو بیان کرنے کے ساتھ ایسی جزوی اور فروعی تفصیلات کو چھوڑ دیتا ہے جن کی حقیقی ضرورت نہیں ورنہ بعض سابقہ مذاہب مثلاً بدھ ازم کی 5 ہزار کتب کی طرح قرآن شریف کو پڑھنا، سمجھنا اور پھر اس پر عمل کرنا ماننے والوں کے لئے مشکل ہو جاتا۔

پہلا سوال یہ تھا کہ حج کب کیا جائے فرماتا ہے اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ حج کے مہینے معروف ہیں، مقررہ وقت پر عمل کرنے کے ساتھ حج کو ہر قسم کے گناہوں سے پاک کرنا ضروری ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یہاں **رفث، فسوق اور جدال** تین گناہوں کے چھوڑنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ **رفث** مرد عورت کے مخصوص تعلقات کو کہتے ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ بدکلامی کرنا۔ گالیاں دینا۔ گندی باتیں کرنا۔ قصے سُنانا۔ لغو اور بے ہودہ باتیں کرنا جسے پنجابی میں گپیں مارنا کہتے ہیں۔ یہ تمام امور بھی رفث میں ہی شامل ہیں۔ اور **فسوق** وہ گناہ ہیں جو خدا تعالیٰ کی ذات سے تعلق رکھتے ہیں جن میں انسان اس کی اطاعت اور فرمانبرداری سے باہر نکل جاتا ہے۔ آخر میں **جدال** کا ذکر کیا ہے جو تعلقات باہمی کو توڑنے والی چیز ہے۔ ان تین الفاظ کے ذریعہ در حقیقت اللہ تعالیٰ نے تین اصلاحوں کی طرف توجہ دلائی ہے، فرمایا ہے۔

(1) اپنی ذاتی اصلاح کرو اور اپنے دل کو ہر قسم کے گندے اور ناپاک میلانات سے پاک رکھو۔

(2) اللہ تعالیٰ سے اپنا مخلصانہ تعلق رکھو

(3) انسانوں سے تعلقات محبت کو استوار رکھو۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 438 مطبوعہ ربوہ)

(اس آیت کی تفسیر جاری ہے)

درس القرآن نمبر140

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ

(البقرۃ:198)

حج کی عالمگیر عبادت کے بارہ میں اس آیت کے کچھ حصہ کا درس کل بیان ہو چکا ہے۔ بقیہ آج پیش خدمت ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اس آیت میں حج کے بارہ میں اس کے بنیادی ارکان بیان ہو رہے ہیں۔ حج چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے شروع تھا اس لئے اس کے بنیادی ارکان سے دنیا ایک حد تک متعارف تھی۔ قرآن شریف نے اس کے بنیادی ارکان مختصراً بتا کر اس کے اخلاقی اور روحانی برکات پر زور دیا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ کل کے درس میں بھی بیان تھا حج کے سلسلہ میں فرمایا تھا۔

(1) اپنی ذاتی اصلاح کرو اور اپنے دل کو ہر قسم کے گندے اور ناپاک علاقات سے پاک کرو۔

(2) اللہ تعالیٰ سے اپنا پاک مخلصانہ تعلق رکھو۔

(3) انسانوں سے تعلقات محبت استوار رکھو۔

پھر فرماتا ہے وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ کہ یہ نصیحت اس لئے بھی ہے کہ جس کی طرف سے یہ نصیحت ہے وہ تمہاری نیکیوں کو خوب جانتا ہے نہ اس کو کوئی غلط فہمی ہے نہ اس کو کوئی دھوکہ دیا جاسکتا ہے۔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى پھر تاکیدی رنگ میں ارشاد فرماتا ہے کہ سفر کے لئے زادراہ لے لیا کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس آیت کے اس حصہ کا ترجمہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"جب سفر کرو تو ہر ایک طور پر سفر کا انتظام کر لیا کرو اور کافی زادراہ لے لیا کرو۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد10 صفحہ 337)

ایک اور جگہ آپ علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ "اور اپنے پاس توشہ رکھو کہ توشہ میں یہ

فائدہ ہے کہ تم کسی دوسرے سے سوال نہیں کروگے یعنی سوال ایک ذلت ہے اس سے بچنے کے لئے تدبیر کرنی چاہئے۔"

(شہادۃ القرآن روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 336)

ایک دفعہ آپ علیہ السلام نے فرمایا:۔"مومن کو بھی ہر وقت اپنے سفر کے لئے تیار اور محتاط رہنا چاہیے اور بہترین زادراہ تقویٰ ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 394 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 141

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (البقرة:199،200)

فرماتا ہے تمہارے لئے یہ کوئی گناہ کی بات نہیں کہ حج کے ایام میں اپنے رب سے کوئی اور فضل بھی مانگ لو پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام جو عام طور پر مزدلفہ کے نام سے معروف ہے اللہ کا ذکر کرو اور جس طرح اس نے تمہیں ہدایت دی ہے اس کے مطابق اسے یاد کرو اگرچہ اس سے پہلے تمہیں خدا کی طرف جانے کا راستہ معلوم نہیں تھا۔

حضرت مصلح موعودؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

”بعض لوگ کہتے ہیں کہ فضل سے مراد اس جگہ تجارت ہے اور میرے نزدیک بھی یہ درست ہے مگر فضل سے صرف تجارت مراد لینا ایک وسیع مضمون کو محدود کر دینا ہے۔ درحقیقت آج اسلام کو جس بہت بڑی مصیبت کا سامنا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا میں چاروں طرف کفر غالب ہے اور مسلمان جمود اور بے حسی کا شکار ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ احساس پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اسلام کی اشاعت کے لئے اس جنون سے کام لیں جس جنون سے قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں نے کام لیا تھا اور اسلام کو تھوڑے عرصہ میں ہی تمام معلومہ دنیا میں غالب کر دیا تھا پس حج کے ذکر کے ساتھ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ فرما کر میرے نزدیک اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ تم اس عظیم الشان اجتماع سے بعض دوسرے فوائد بھی حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اللہ تعالیٰ کا وہ فضل تلاش کرو جس کے نتیجہ میں مسلمان قعرِ مذلت سے نکل کر بامِ عروج پر پہنچ جائیں اور اسلام کی اشاعت کے لئے مختلف ممالک کے با اثر اور ممتاز افراد کے ساتھ مل کر ایسی سکیمیں سوچو جن کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا فضل نازل ہو جائے اور اسلام دنیا پر غالب آجائے۔ غرض اس فضل کو تلاش کرنا جس کے نتیجہ میں اسلام کو غلبہ حاصل ہو اللہ تعالیٰ نے ہمارا فرض قرار دیا ہے۔“

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 440،441 مطبوعہ ربوہ)

(ان دو آیات کی تشریح جاری ہے)

درس القرآن نمبر 142

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡکُرُوا اللّٰہَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ۪ وَاذۡکُرُوۡہُ کَمَا ہَدٰىکُمۡ ۚ وَاِنۡ کُنۡتُمۡ مِّنۡ قَبۡلِہٖ لَمِنَ الضَّآلِّیۡنَ ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسۡتَغۡفِرُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ (البقرۃ:199،200)

ان دو آیات کی تفسیر گزشتہ درس سے جاری ہے اور اس بارہ میں حضرت مصلح موعودؓ کا یہ لطیف نکتہ آپؓ کے الفاظ میں بیان ہو چکا ہے کہ اَنۡ تَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ سے مراد صرف عام مالی تجارت ہی نہیں گو وہ بھی منع نہیں بلکہ اس سے مراد اس عظیم الشان فضل کے لئے کوشش اور جدوجہد اور دعا ہے کہ اسلام کی عالمگیر فتح کے لئے اس موقعہ پر کہ جب ساری دنیا سے مسلمان جمع ہیں دعا کی جائے اور تدابیر سوچی جائیں۔ چونکہ اس فضل کے حصول میں مسلمانوں کی کمزوریاں حائل ہو چکی ہیں اس لئے خصوصیت سے ان آیات میں استغفار کا حکم ہے، چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"روحانی سرسبزی کے محفوظ اور سلامت رہنے کے لئے یا اس سرسبزی کی ترقیات کی غرض سے حقیقی زندگی کے چشمہ سے سلامتی کا پانی مانگنا بھی وہ امر ہے جس کو قرآن کریم دوسرے لفظوں میں استغفار کے نام سے موسوم کرتا ہے۔"

(نور القرآن نمبر 1 روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 357)

ایک بات جس کی طرف حکیمانہ رنگ میں ان دو آیات میں توجہ دلائی گئی ہے یہ ہے کہ حج کے ارکان چونکہ ایک خاص علاقے کے مختلف حصوں بیت اللہ، صفا مروہ، منیٰ، مزدلفہ میں ہوتے ہیں اور یہ حصے سب کے سب اس علاقہ میں ہیں جو حرم کہلاتا ہے اور مقدس بھی کہلاتا ہے اور امن کا علاقہ بھی سمجھا جاتا ہے اس لئے یہ غلط فہمی نہ ہو کہ اس علاقہ کی حدود سے باہر نکلتے ہی سیلاب کی طرح تمام بند توڑ دو جہاں تک خدا کی عبادت اور بندوں کے حقوق کی حفاظت کا تعلق ہے وہ حرم کے علاقہ میں بھی اسی طرح فرض ہے اور حرم کی حدود سے باہر بھی اسی طرح فرض ہے۔ خدا کے حقوق کی بجا آوری اور انسانوں کے حقوق کا تحفظ دنیا کے چپے چپے پر ضروری

ہے اس لئے عرفات جو حرم کی حدود سے باہر ہے وہاں جانا اور ذکر الٰہی کرنا حج کی تکمیل کے لئے ضروری ہے حالانکہ جیسا ذکر ہوا وہ حرم کی مقررہ حدود میں نہیں ہے اور پھر عرفات سے واپس آکر مشعر الحرام کی پہاڑی پر جو مزدلفہ مقام میں ہے، ذکر الٰہی ضروری ہے جو حرم کی حدود کے اندر ہے گویا یہ علاقہ تو ایک تربیتی کیمپ کا مقام ہے ورنہ تمام دنیا میں حرم اور مسجد کا مقام رکھتی ہے اس لئے فرمایا۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ کہ جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ اور اللہ نے تمہیں قرآن مجید اتار کر اور رسول اللہ ﷺ کو بھیج کر تمہارے لئے ہدایت کا احسان کیا ہے اس لئے اللہ کو یاد کرو وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ اور اس سے پہلے تم یقیناً گمراہوں میں سے تھے۔ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ اور جہاں سے لوگ واپس لوٹتے رہے ہیں تم بھی واپس لوٹو۔ گویا کفار قریش کی طرح اس جھوٹے زعم میں نہ پڑو کہ ہم معزز لوگ حرم کی حدود سے باہر نہیں جائیں گے۔ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ عزت قبائلی نسل میں نہیں ہے اللہ سے استغفار کرو اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ بہت بخشنے والا، بار بار رحم کرنے والا ہے۔

درس القرآن نمبر 143

فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا وَمَا لَهٗ فِى الۡاٰخِرَةِ مِنۡ خَلَاقٍ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً وَّفِى الۡاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرة:201،202)

حج کے ارکان کی ادائیگی کے مضمون کے اختتام پر بڑے زور سے دعا کے مضمون کو بیان کیا ہے۔ اسلام کی عبادات کا گہرا تعلق دعا سے ہے، نماز سراسر دعا ہے۔ رمضان کی عبادات کے ذکر کے اختتام پر فرمایا تھا۔

کہ اے رسول جب میرے بندے تجھ سے میرے متعلق پوچھیں تو جواب دو کہ میں ان کے پاس ہی ہوں جب دعا کرنے والا مجھے پکارے تو میں اس کی دعا کو قبول کرتا ہوں اور اب یہاں حج کے ارکان کے بیان کے اختتام پر دعا کا خصوصی ذکر ہے فرماتا ہے فَاِذَا قَضَيۡتُمۡ مَّنَاسِكَكُمۡ کہ جب تم مناسک حج ادا کر چکو فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ كَذِكۡرِكُمۡ اٰبَآءَكُمۡ اَوۡ اَشَدَّ ذِكۡرًا کہ تم خدا تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادوں کو یاد کرتے ہو۔

حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

"یعنی جس طرح ایک چھوٹا بچہ جو اپنی ماں سے جدا ہوتا ہے روتا اور چلّاتا ہوا کہتا ہے کہ میں نے اپنی امّاں کے پاس جانا ہے اسی طرح تم بھی بار بار خدا تعالیٰ کا ذکر کرو تا کہ اس کی محبت تمہارے رگ و ریشہ میں سرایت کر جائے......... جس طرح بچوں کے دل میں اپنے ماں باپ کی ملاقات کا اشتیاق ہوتا ہے۔ اسی طرح تمہارا بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ ایسا ہی روحانی تعلق ہونا چاہیے......... جو لوگ اپنے ماں باپ کی محبت میں بھی اللہ تعالیٰ کی محبت کا ہاتھ پوشیدہ دیکھتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں ماں باپ کے تعلق کو بالکل ہیچ سمجھتے ہیں۔ ان کو چاہیے کہ وہ خدا تعالیٰ کا ایسے رنگ میں ذکر کریں کہ ان کے دنیوی تعلقات میں اس کی کوئی مثال دکھائی نہ دے اور ماں باپ کا ذکر اس کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہو جائے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 443، 444 مطبوعہ ربوہ)

فرماتا ہے فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ کہ بعض لوگ ایسے ہیں جو خدا سے صرف دنیا ہی مانگتے ہیں ان کا مقصد دنیا ہی ہوتا ہے اور ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں مگر فرماتا ہے ایک گروہ وہ بھی ہے جو کہتا ہے رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ حضرت مصلح موعودؓ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

''یعنی الٰہی ہمیں دنیا میں بھی عزت بخش اور آخرت میں بھی ہمارے مقام کو بلند کر۔ اگر ہمیں دنیا ملے تو ہم اسے اپنی ذات کے لئے استعمال نہ کریں بلکہ تیرے دین کی شوکت ظاہر کرنے کیلئے استعمال کریں اور تیری رضا اور خوشنودی کے لئے اُسے صرف کریں۔ اگر ایسا ہو تو پھر انسان کو دنیا میں بھی عزت ملتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ کے حضور بھی اس کا مرتبہ بڑھتا ہے۔ یہ دُعا جو اسلام نے ہمیں سکھائی ہے بظاہر بہت چھوٹی سی دعا ہے لیکن ہر قسم کی انسانی ضرورتوں پر حاوی ہے۔''

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 445 مطبوعہ ربوہ)

فرماتے ہیں:۔''پس یہ ایک جامع دُعا ہے جو اسلام نے سکھائی ہے اور جسے رسول کریم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بڑی کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔''

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 446 مطبوعہ ربوہ)

اس مضمون کو پورا کرتے ہوئے آخر میں فرمایا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ان کی نیک کمائی کے سبب سے ثواب کا ایک بہت بڑا حصہ مقدر ہے وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ اور اللہ بہت جلد حساب چُکا دیتا ہے۔ (البقرۃ:203)

درس القرآن نمبر144

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (البقرۃ:204)

اس آیت کی تفصیل میں حضرت مصلح موعودؓ نے پانچ(5) صفحات پر مشتمل حج اور اس کے ارکان کی برکات اور حکمتوں پر مشتمل جو مضمون تحریر فرمایا ہے اس کو یہاں نقل نہیں کیا جاسکتا۔ حج کے ارکان کی تفصیلات اور برکات اور حکمتوں کے مضمون پر مشتمل بہت اعلیٰ مضمون ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اس آیت میں حج کے ایام میں ذکر اللہ پر بھی زور ہے اور جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے ذکر فرمایا ہے ایام تشریق میں ذکر الٰہی پر خصوصی زور ہے مگر جیسا کہ قرآن مجید کا طریق ہے ایک سے زیادہ مطالب قرآن شریف سے نکلتے ہیں حج کے بعد ذکر الٰہی کا سلسلہ بند نہیں ہو جانا بلکہ حج کے بعد ایک نئی زندگی انسان کی شروع ہوتی ہے کون جانتا ہے کہ دو دن کی زندگی ہے یا زیادہ یا کم ہے اس لئے فرماتا ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ اور اللہ کو بہت یاد کرو ان گنتی کے چند دنوں میں۔

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ پھر جو ذکر الٰہی کرتا ہوا دو دن میں خدا کے حضور جلد آجائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اور جو پیچھے رہ جائے اس پر کوئی گناہ نہیں لِمَنِ اتَّقٰى مگر یہ شفقت ان پر ہے جو تقویٰ اختیار کریں وَاتَّقُوا اللّٰهَ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ اور جان لو کہ تم اس کی طرف اکھٹے کئے جاؤ گے۔

درس القرآن نمبر145

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّعۡجِبُكَ قَوۡلُهٗ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيُشۡهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىۡ قَلۡبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الۡخِصَامِ (البقرۃ:205)

حج کے ایام میں خصوصاً اور اپنی زندگی کے گنے چُنے ایام میں عموماً گزشتہ آیت میں ذکر الٰہی پر جو زور دیا گیا ہے اس آیت میں ذکر الٰہی کے حکم پر عمل کرنے والوں کے مقابلہ میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کی تفصیل بیان کرتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

''دنیا میں کچھ ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ جب وہ کسی مجلس میں بیٹھ کر دنیا کی باتیں کرتے ہیں تو تم سمجھتے ہو واہ وا یہ کتنے عقلمند اور سمجھدار ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ دنیا کے سارے علوم پر حاوی ہیں اور انکی عقل کو کوئی پہنچ نہیں سکتا اور پھر وہ اپنی دینداری کے متعلق اتنا یقین لوگوں کو دلاتے ہیں کہ کہتے ہیں خدا کی قسم ہمارے دل میں جو نیکیاں بھری ہوئی ہیں ان کو کوئی نہیں جانتا ہم سے مشورہ لیا جائے تو ہم یوں کر دیں گے وُوں کر دیں۔ مگر فرماتا ہے حقیقت کیا ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ بدترین دشمن جو تمہارے ہوسکتے ہیں وہ ان سے بھی زیادہ جھگڑالو اور خطرناک ہوتا ہے وہ ہوتا تمہارے ساتھ ہے وہ مسلمان کہلاتا ہے اور جب کسی مجلس میں بیٹھ جاتا ہے تو ساری مجلس پر چھا جاتا ہے اور اپنی دینداری اور تقویٰ پر قسمیں کھاتا ہے اور کہتا ہے کہ میرا دل تو قوم کے لئے گھلا جارہا ہے۔ جب دیکھنے والا اسے دیکھتا ہے اور سننے والا اس کی باتیں سنتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ یہ قطب الاقطاب بیٹھا ہے مگر فرماتا ہے۔ دنیا میں تمہارے یہودی بھی دشمن ہیں۔ عیسائی بھی دشمن ہیں اور قومیں بھی دشمن ہیں مگر یہ ان سے بھی بڑا اور خطرناک دشمن ہوتا ہے بظاہر تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ نیکی اور تقویٰ کا ایک مجسمہ ہے لیکن معاملہ برعکس ہوتا ہے وہ کوئی دینی نکتے بیان نہیں کرتا بلکہ دنیوی امور کے متعلق ایسی باتیں کرتا ہے جو بظاہر تو بڑی اچھی ہوتی ہیں مگر درحقیقت ان کی تہہ میں منافقت کام کر رہی ہوتی ہے۔ اور پھر اس کے جھوٹا ہونے کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتا چلا جاتا ہے اور کہتا ہے کہ خدا گواہ ہے میرے دل میں تو اخلاص ہی اخلاص ہے اور میں تو محض اپنے

دوستوں کی خیر خواہی اور بھلائی کی وجہ سے ایسا کر رہا ہوں۔ فرماتا ہے تم ایسے شخص کی چکنی چپڑی باتوں سے کبھی دھوکا نہ کھاؤ۔ اور جب بھی تمہیں کوئی ایسا شخص نظر آئے۔ فوراً لاحول پڑھ کر اس سے علیحدہ ہو جاؤ اور سمجھ لو کہ تمہارے سامنے ایک شیطان بیٹھا ہے جو قسمیں کھا کھا کر اور اپنی خیر خواہی کا لوگوں کو یقین دلا دلا کر انہیں دھوکا اور فریب دے رہا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 452،453 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 146

وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ

(البقرة:206)

گزشتہ آیت میں ایسے آدمی کا ذکر تھا جو حقیقی معنوں میں ذکر الٰہی کرنے کے بجائے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے اپنی عظمت قائم کرنا چاہتے ہیں۔

اس آیت میں یہ مضمون ہے کہ ایسے لوگ جب اپنے پراپیگنڈا کے ذریعہ طاقت و حکومت حاصل کر لیتے ہیں تو جو ان کا حال ہوتا ہے اس کا نقشہ حضرت مصلح موعودؓ اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

"فرمایا ایسے لوگوں کی حالت یہ ہوتی ہے کہ جب انہیں بادشاہت مل جاتی ہے یعنی وہ خدا تعالیٰ کی پیدا کردہ طاقتوں سے کام لے کر حکومت پر قابض ہو جاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ رعایا اور ملک کی خدمت کریں، بجائے اس کے کہ لوگوں کے دلوں میں سکینت اور اطمینان پیدا کریں وہ ایسی تدابیر اختیار کرنی شروع کر دیتے ہیں جن سے قومیں قوموں سے، قبیلے قبیلوں سے اور ایک مذہب کے ماننے والے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے لڑنے جھگڑنے لگ جاتے ہیں اور ملک میں طوائف الملوکی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وہ ایسے طریق اختیار کرتے ہیں جن سے ملک کی تمدنی اور اخلاقی حالت تباہ ہو جاتی ہے اور آئندہ نسلیں بیکار ہو جاتی ہیں۔ حرث کے لغوی معنے تو کھیتی کے ہیں مگر یہاں حرث کا لفظ استعارۃً وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اور بتایا گیا ہے کہ جتنے ذرائع ملک کی تمدنی حالت کو بہتر بنانے والے ہوتے ہیں ان ذرائع کو اختیار کرنے کی بجائے وہ ایسے قوانین بناتے ہیں جن سے تمدن تباہ ہو۔ اقتصاد برباد ہو۔ مالی حالت میں ترقی نہ ہو۔ اس طرح وہ نسلِ انسانی کی ترقی پر تبر رکھ دیتے ہیں۔ اور ایسے قوانین بناتے ہیں جن سے آئندہ پیدا ہونے والی نسلیں اپنی طاقتوں کو کھو بیٹھتی ہیں اور ایسی تعلیمات جن کو سیکھ کر وہ ترقی کر سکتی ہیں ان سے محروم رہ جاتی ہیں۔

پھر فرماتا ہے کہ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ اللہ تعالیٰ فساد پسند نہیں کرتا۔ اس لئے ایسے

بادشاہ اور حکمران خداتعالیٰ کی نگاہ میں مغضوب ہیں اور وہ ان کو نفرت اور حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے نزدیک وہی بادشاہ صحیح معنوں میں بادشاہ کہلا سکتا ہے جو لوگوں کے لئے ہر قسم کا امن مہیا کرے۔ ان کی اقتصادی حالت کو درست کرے اور انکی جانوں کی حفاظت کرے۔ کیا بلحاظ صحت کا خیال رکھنے کے اور کیا بلحاظ اس کے کہ وہ غیر ضروری جنگیں نہ کرے اور اپنے ملک کے افراد کو بلاوجہ مرنے نہ دے۔ گویا ہر قسم کے امن اور جان ومال کی حفاظت کی ذمہ واری اسلام کے نزدیک حکومت پر عاید ہوتی ہے۔ اور وہ اس امر کی پابند ہے کہ ملک کی ترقی اور رعایا کی بہبودی کا ہمیشہ خیال رکھے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 453،454 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 147

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ

(البقرة:207)

حضرت مصلح موعودؓ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"فرماتا ہے جب اُسے کہا جائے کہ تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ تم تو دو کوڑی کے بھی آدمی نہیں تھے تمہیں تو جو کچھ ملا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کے احسان کی وجہ سے ملا ہے تو اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ اُسے اپنی جھوٹی عزت کی پیچ گناہوں پر اور زیادہ دلیر کرتی ہے۔ اس کے دونوں معنے ہو سکتے ہیں یہ بھی کہ اس کے پہلے گناہوں اور شامت اعمال کی وجہ سے ہتک عزت کا جنون اس کے سر پر سوار ہو جاتا ہے اور اسے ہدایت سے اور زیادہ دور پھینک دیتا ہے۔ اور یہ بھی کہ اپنی عزت کی پیچ اُسے گناہوں کے لئے پکڑ لیتی ہے یعنی اس سے اور زیادہ گناہوں کا ارتکاب شروع کرا دیتی ہے۔ فرماتا ہے یہاں ممکن ہے تم لوگوں کو فریب دے لو لیکن آخر جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ اور وہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔

جہنم بے شک اگلے جہان میں ہے لیکن ایک جہنم ایسے انسانوں کے لئے اس جہان میں بھی پیدا کر دیا جاتا ہے جب شریف انسان مقابلہ میں کھڑے ہو جائیں تو انہیں ایسا جواب مل جاتا ہے کہ یہی دنیا ان کے لئے جہنم بن جاتی ہے افسوس ہے کہ دنیا میں بہت سے لوگ صرف اس لئے اپنی اصلاح نہیں کر سکتے کہ جب انہیں ان کی غلطی بتائی جائے اور کہا جائے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ تو اپنی ہتک عزت کے خیال سے وہ دیوانہ ہو کر بجائے نصیحت سے فائدہ اٹھانے کے ناصح کا مقابلہ کرنے لگ جاتے ہیں مگر اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ جس کسی میں کوئی غلطی یا نقص دیکھے بازار میں کھڑے ہو کر اُسے تنبیہہ کرنا شروع کر دے۔ سمجھانا ہمیشہ علیحدگی میں چاہیے اور سمجھانے والے کو اپنی حیثیت اور قابلیت بھی دیکھنی چاہیے کہ وہ جس شخص کو سمجھانا چاہتا ہے اسے سمجھانے کی اہلیت بھی رکھتا ہے یا نہیں۔

تاکہ اس کا اُلٹا نتیجہ نہ نکلے غرض جہاں غلطی کرنے والوں کو برداشت کی طاقت اپنے

اندر پیدا کرنی چاہیے اور سمجھانے والے کی بات کو ٹھنڈے دل سے سُننا چاہیے۔ وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ سمجھانے والا احتیاط سے کام لے۔ یہ نہ ہو کہ وہ جس کو چاہے لوگوں میں ذلیل کرنا شروع کر دے۔ اس مثال کو حج کے ساتھ اس لئے بیان کیا گیا ہے کہ حج کی بڑی غرض قومی تفرقوں کو مٹا کر اتفاق و اتحاد اور محبت و یگانگت کے تعلقات کو بڑھانا ہے۔ مگر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو دنیا میں لڑتے جھگڑتے اور فساد پیدا کرتے رہتے ہیں۔ انہیں متوجہ کیا گیا ہے کہ جب خدا تعالیٰ ساری دنیا کو ایک مرکز پر جمع کرنا چاہتا ہے تو انہیں بھی چاہیے کہ وہ اتفاق و اتحاد قائم رکھیں اور اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے کینے اور بغض چھوڑ دیں۔

درحقیقت صحیح معنوں میں حج کرنے والا صرف وہی شخص کہلا سکتا ہے جو اس قسم کے فتنہ و فساد سے مجتنب رہے۔ لیکن جو شخص فساد کرتا اور بنی نوع انسان کو دکھ پہنچاتا ہے وہ اپنے عمل سے اس وحدت اور مرکزیت کو نقصان پہنچاتا ہے جس کو قائم کرنے کیلئے اسلام نے حج بیت اللہ کا حکم دیا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 454، 455 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر148

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ

(البقرۃ:208)

قرآن شریف کا یہ طریق ہے کہ وہ تقابل کے ذریعہ ایک مضمون کو خوب کھولتا ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج کے مسائل اور حکمتوں کے بیان کے بعد جو انسان کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ خدا تعالیٰ سے زندہ تعلق اور اس کی یاد کا مضمون اس آیت سے شروع ہوا تھا فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ کہ ان عبادات کی ادائیگی کے بعد تمہارا ذکر الٰہی کا کام ختم نہیں ہو جاتا بلکہ بڑھ جاتا ہے اور اس سلسلہ میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو دنیوی زندگی میں اپنی بڑائی اور اپنی حکومت کی طلب میں رہتے ہیں اس کے مقابل میں وہ لوگ ہیں جن کا آج کی آیت میں ذکر ہے کہ انسانوں میں وہ اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں جو خدا کی رضاء میں کھوئے جاتے ہیں اور اللہ کی رضاء حاصل کرنے کے لئے اپنی جان کو ہی بیچ ڈالتے ہیں وہ اپنے آپ کو فروخت کر دیتا ہے اس کا سکھ اس کا آرام اس کی کوئی خواہش اپنے نفس کے لئے نہیں ہوتی۔ اس آیت کی جو نہایت لطیف تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمائی ہے اس کا کچھ حصہ درج ہے، حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

”انسانوں میں سے وہ اعلیٰ درجہ کے انسان ہیں جو خدا کی رضا میں کھوئے جاتے ہیں۔ وہ اپنی جان بیچتے ہیں اور خدا کی مرضی کو مول لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمت ہے ایسا ہی وہ شخص جو روحانی حالت کے مرتبہ تک پہنچ گیا ہے خدا کی راہ میں فدا ہو جاتا ہے۔

خدا تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ تمام دکھوں سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو میری راہ میں اور میری رضا کی راہ میں جان کو بیچ دیتا ہے اور جانفشانی کے ساتھ اپنی اس حالت کا ثبوت دیتا ہے کہ وہ خدا کا ہے اور اپنے تمام وجود کو ایک ایسی چیز سمجھتا ہے جو طاعت خالق اور خدمت مخلوق کے لئے بنائی گئی ہے۔“

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد10 صفحہ 385)

درس القرآن نمبر 149

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً ۪ وَّ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّہٗ لَکُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ۔ فَاِنۡ زَلَلۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡکُمُ الۡبَیِّنٰتُ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیۡزٌ حَکِیۡمٌ

(البقرۃ:209،210)

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے سورۃ البقرۃ میں اس سے قبل عبادات وارکان روزہ، حج وغیرہ کے بارہ میں تفصیلی ہدایات اور حکمتوں اور برکتوں کا بیان ہے اب مضمون آہستہ آہستہ حقوق انسانی کی طرف منتقل ہو رہا ہے۔ ان دونوں مضامین کے درمیان پہلے مضمون کے تتمہ اور دوسرے مضمون کی تمہید کے طور پر ذکر الٰہی اور اسلام کی تعلیم پر پوری طرح عمل کرنے کی تلقین اور شیطانی راہوں سے بچنے کے لئے انذار ہے یٰۤاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً فرماتا ہے۔

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو تم سب کے سب فرمانبرداری کے دائرہ میں آجاؤ وَّ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ مفہوم بیان فرماتے ہیں کہ:

"اے ایمان والو خدا کی راہ میں گردن ڈال دو اور شیطانی راہوں کو اختیار مت کرو کہ شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اس جگہ شیطان سے مراد وہی لوگ ہیں جو بدی کی تعلیم دیتے ہیں۔"

(یادداشتیں براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 416)

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مصلح موعودؓ بیان فرماتے ہیں:۔

"اے مومنو! تم سارے کے سارے پورے طور پر اسلام میں داخل ہو جاؤ اور اس کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں پر کامل طور پر رکھ لو۔ یا اے مسلمانو تم اطاعت اور فرمانبرداری کی ساری راہیں اختیار کرو۔ اور کوئی بھی حکم ترک نہ کرو......... پہلی صورت میں اس کے یہ معنے ہیں کہ تم سب کے سب اسلام میں داخل ہو جاؤ یعنی تمہارا کوئی فرد بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو اطاعت اور فرمانبرداری کے مقام پر کھڑا نہ ہو......... دوسری صورت میں اس کے یہ معنے ہیں کہ تم پورے کا پورا اسلام قبول کرو۔ یعنی اس کا کوئی حکم ایسا نہ ہو جس پر تمہارا عمل نہ ہو۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 456 مطبوعہ ربوہ)

فَاِنۡ زَلَلۡتُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡكُمُ الۡبَيِّنٰتُ اور اگر تم باوجود اس کے کہ تمہارے پاس کھلے کھلے نشان آئے، ڈگمگا گئے فَاعۡلَمُوۡۤا تو جان لو اَنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ کہ اللہ یقیناً غالب اور حکمت والا ہے حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

"فرماتا ہے اگر تم اپنی اصلاح نہیں کروگے اور طاقت اور قوت حاصل کرنے کے بعد بنی نوع انسان کی خدمت کرنے کی بجائے ان پر ظلم کرنا شروع کروگے۔ اور انہیں مالی اور جسمانی نقصانات پہنچاؤ گے تو تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ تمہارے سر پر ایک غالب خدا موجود ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 457 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر150

هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ (البقرة:211)

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے عبادات کے ارکان اور ان کی حکمت کی تفاصیل بیان کرنے کے بعد اور بندوں کے حقوق کی تفاصیل بیان کرنے سے پہلے نہایت پر زور الفاظ میں ذکر اللہ اور تعلق باللہ کا مضمون تھا اور جو لوگ اس سے غفلت کرتے ہیں ان کو آج کی آیت میں پوچھتا ہے کہ آخر تم کن دلائل اور نشانات کے منتظر ہو۔ زبردست عقلی دلائل اور نشانات کی موجودگی میں کیا تم اس بات کے منتظر ہو کہ اَنۡ يَّاۡتِيَهُمُ اللّٰهُ فِىۡ ظُلَلٍ مِّنَ الۡغَمَامِ وَالۡمَلٰٓـئِكَةُ کہ اللہ اور فرشتے بادلوں کے سائبانوں میں ان کے پاس آئیں وَقُضِىَ الۡاَمۡرُ اور سچ اور جھوٹ کا فتح و شکست کا جھٹ پٹ فیصلہ ہو جائے۔ فرماتا ہے وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ معاملات تو سارے خدا کے ہاتھ ہیں۔ تمام امور اللہ کی طرف پھیرے جاتے جس طرح کے نشانات کی انتظار میں وہ بیٹھے ہوئے ہیں وہ بھی آسکتے ہیں اور بدر وغیرہ کے مواقع پر دیکھنے والوں نے دیکھے اور خدائی تجلیات کو انسانی شکل میں ظاہر ہوتے دیکھا۔

حضرت مصلح موعودؓ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

"اس میں بتایا کہ یہ کفار جو مسلمانوں کی مخالفت کر رہے ہیں اور منافق جو ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہتے ہیں اور اسلام کی تباہی کے خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ بظاہر تو اس بات کے منتظر ہیں کہ کب وہ دن آئے کہ اسلام دنیا سے مٹ جائے اور خدائے واحد کی حکومت پر شیطانی طاقتیں غلبہ حاصل کر لیں لیکن درحقیقت اپنے عمل سے وہ صرف اس بات کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے پاس بادلوں کے سایوں میں آئے۔ یعنی اپنی مخفی تدبیر سے ان کی ہلاکت اور بربادی کے سامان پیدا کر دے۔ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ آسمان سے اس کے فرشتے نازل ہوں جو انہیں کچل کر رکھ دیں۔ وہ اس بات کے منتظر ہیں کہ کوئی ایسا نشان ظاہر ہو جس کے نتیجہ میں یہ روز روز کے جھگڑے مٹ جائیں اور خدا تعالیٰ کا آخری فیصلہ ایک چمکتے

ہوئے نشان کی صورت میں سب کو نظر آجائے۔ اور آخر ایک دن ایسا ہی ہو گا۔ خدا ان کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہو گا اور ان کی ہلاکت کی ساعت ان کے سروں پر منڈلانے لگے گی۔ چنانچہ جنگِ بدر میں خدا تعالیٰ نے بادلوں میں سے ہی اپنا چہرہ ظاہر کیا.........''

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 458 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر 151

سَلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ کَمۡ اٰتَیۡنٰھُمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍۭ بَیِّنَۃٍ ؕ وَ مَنۡ یُّبَدِّلۡ نِعۡمَۃَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ (البقرة:212)

ان لوگوں کا ذکر چل رہا ہے جو غیر معمولی عظیم نشانات دیکھنا چاہتے ہیں۔ گزشتہ آیات میں یہ مضمون تھا کہ بعض لوگ جن کو تعلق باللہ اور ذکر الٰہی کی نعمت دی گئی ہے ازراہ انکار غیر معمولی نوعیت کے نشان دیکھنا چاہتے ہیں اور بادلوں میں اللہ اور اس کے ملائکہ کے اترنے کے منتظر ہیں مگر یہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے بنی اسرائیل بھی جن کا تفصیلی ذکر پہلے گزر چکا ہے اس قسم کی الجھنوں میں گرفتار رہے۔ سَلۡ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ کَمۡ اٰتَیۡنٰھُمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍۭ بَیِّنَۃٍ بنی اسرائیل سے پوچھو ان کی تاریخ اس بات سے بھری پڑی ہے کہ ہم نے ان کو کتنے روشن نشان دیئے اور یہ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا احسان تھا جو ان پر ہوا وَ مَنۡ یُّبَدِّلۡ نِعۡمَۃَ اللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا جَآءَتۡہُ اب جو شخص اللہ کی نعمت کو جو اس پر ہوئی بدل دے فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ تو اللہ سزا میں سخت ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

"ہم نے یہود کو پہلے بھی بہت سے نعمتیں عطا فرمائی تھیں جن کی انہوں نے ناشکری کی مثلاً سب سے بڑی نعمت تو ان پر یہی نازل ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے متواتر انبیاء ان میں مبعوث فرمائے لیکن یہود نے ہمیشہ ان کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ یہاں تک کہ بعض انبیاء کو انہوں نے جان سے بھی مار ڈالا۔ یہ خدا تعالیٰ کی نعمت کی ایک عظیم الشان ناشکری تھی جو ان سے ظاہر ہوئی۔ اسی طرح عیسائیوں نے جو یہود کی ایک شاخ ہیں اس قدر ناشکری کی کہ شریعت کو لعنت قرار دیدیا۔ غرض یہود کی ان متواتر سرکشیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتِ نبوت ان سے واپس لے لی کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہیں کرتا الٰہی سنت کے مطابق وہ نعمتیں اس سے چھین لی جاتی ہیں اور اسے رنج و غم اور حسرت و یاس کے لمبے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 459،460 مطبوعہ ربوہ)

درس القرآن نمبر152

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ (البقرة:213)

قرآن شریف اس ہستی کی کتاب ہے جس نے انسانی نفس کو پیدا کیا اور کتاب بھی اس نفس کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے اتاری۔ اس لئے وہ انسانی نفس کی گہرائیوں کو جاننے والی ہے۔ یہ ذکر الٰہی اور تعلق باللہ سے اعراض کرنے والوں کا ذکر کرکے اس آیت میں ان کے اعراض اور انکار کی دو بنیادی نفسیاتی وجوہات کا ذکر فرماتا ہے ایک تو یہ کہ ان انکار کرنے والوں کو دنیا کی زندگی بڑی خوبصورت نظر آتی ہے اور بظاہر جھم جھم کرنے والی یہ زندگی ان کے انکار کا باعث ہے۔ دوسرے وہ ایمان لانے والوں سے تمسخر کرتے ہیں اور یہ غلط سوچ رکھنے والے لوگوں کے لئے نہایت دلچسپ مشغلہ ہے فرمایا زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ان لوگوں کو جنہوں نے انکار کیا دنیا کی زندگی بڑی خوبصورت نظر آتی ہے وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اور وہ ان سے جو ایمان لائے تمسخر کرتے ہیں۔ یہ دو زبردست محرکات ان کے انکار کے ہیں۔ اس کی تشریح میں حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:۔

”دنیا اپنی تمام دلفریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ ان کے سامنے کھڑی ہے اور طاقت اور دولت کے نشہ نے ان کی نگاہوں کو ایسا خیرہ کر رکھا ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہیں ہم مسلمانوں سے کہاں شکست کھاسکتے ہیں بلکہ وہ ان پیشگوئیوں پر (جو اسلام اور مسلمانوں کی فتح کے بارہ میں ہوں۔ ناقل) مسلمانوں سے تمسخر کرتے اور ان کا مضحکہ اُڑاتے ہیں اور انہیں طعنے دیتے ہیں کہ ہمیں تو نقد مل رہا ہے۔ تمہارا انعام کہاں ہے۔“

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 460 مطبوعہ ربوہ)

کفار کے اس اعراض اور تمسخر کے جواب میں فرماتا ہے وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کہ یہ اعراض و انکار اور یہ تمسخر صرف اس دنیا میں ہے مگر ابھی تو ایک اور عالم آنے والا ہے، ایک قیامت آنے والی ہے جس میں متقی اعراض کرنے والوں اور تمسخر کرنے والوں پر

غالب آئیں گے۔ شاید تم کہو کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ایسا دن آنے والا ہے جب پانسہ پلٹ جائے گا، جن کو تمسخر کیا جارہا ہے وہ غالب ہوں گے، تو فرماتا ہے کہ اس دنیا کی زندگی میں ہی اس کا ایک قرینہ موجود ہے وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ کہ اس دنیا میں ہی بڑے بڑے امیر، بڑے صاحب جائیداد، بڑے بڑے بینک بیلنس والے کوڑی کوڑی کے محتاج ہو جاتے ہیں اور حد درجہ غریب ارب پتی بن جاتے ہیں حالانکہ دنیوی قواعد کے مطابق دونوں طرف جدوجہد ہوتی ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ رزق کا معاملہ صرف تمہارے ہاتھ میں نہیں۔ کوئی بالا ہستی بھی ہے جس کا عمل دخل اس میں ہے اور تم اپنی جدوجہد میں مختارِ کُل نہیں۔ کوئی اور طاقت اس پر اثر انداز ہو رہی ہے۔

درس القرآن نمبر 153

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (البقرة:214)

مذہب اسلام کی تعلیم اور احکامات، عبادات وارکان کے ذکر پر لازماً یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ مذاہب میں یہ اختلاف کیوں ہے اور اس اختلاف میں کون حق پر ہے۔ اس اہم سوال کو اس آیت میں تفصیل سے حل کیا گیا ہے، فرماتا ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کہ لوگوں میں جب بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور سب لوگوں میں سچے خدا سے بے تعلقی پیدا ہو کر ساری قوم قومی انبیاء سے پہلے یا ساری دنیا ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گمراہی کا ایک رنگ پیدا ہو جاتا ہے۔

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ تو اللہ تعالیٰ کی صفت رحمانیت جوش میں آتی ہے اور وہ بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے نبی بھیجتا ہے وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ اور حق و صداقت سے بھری ہوئی شریعت ان کے ساتھ ہوتی ہے خواہ وہ پہلے شرعی نبی کی شریعت ہو یا نئی شریعت ہوتی ہے۔ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ تاکہ جو لوگوں کے درمیان اس اختلاف کے بارہ میں فیصلہ کرے جو لوگوں نے دائمی مذہبی صداقتوں اور اصولوں سے کیا ہوتا ہے۔ حالانکہ ان کا یہ اختلاف کسی صداقت، کسی اصول، کسی تحقیق پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ بلکہ ان کا یہ اختلاف اس شریعت سے جو ان کو دی گئی روشن دلائل کے ان کے پاس آنے کے بعد ہوتا ہے اور اس کا محرک علمی تحقیق نہیں بلکہ باہمی سرکشی ہوتی ہے تو فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ اس لئے اللہ نے ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہدایت دی کیونکہ انہوں نے جو اس میں اختلاف کیا وہ اللہ کی اجازت سے تھا اور صداقت پر مبنی تھا کیونکہ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اللہ ہی ہے جو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت فرماتا ہے۔

درس القرآن نمبر154

مذاہب کے اختلاف کے بارہ میں ایک سوال کا جواب کل کے درس میں دیا گیا تھا آج کی آیت میں ایک دوسرے سوال کا جواب دیا گیا ہے، فرماتا ہے: اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ وَ لَمَّا یَاۡتِکُمۡ مَّثَلُ الَّذِیۡنَ خَلَوۡا مِنۡ قَبۡلِکُمۡ ؕ مَسَّتۡہُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰہِ قَرِیۡبٌ (البقرۃ:215)

آج کا سوال یہ ہے کہ اختلاف مذاہب کے نتیجہ میں نئے سچے مذہب کے ماننے والوں کو ابتلاؤں اور امتحانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ فرماتے ہیں:

"اس آیت میں ان ابتلاؤں کی طرف اشارہ ہے جو مسلمانوں پر آنے والے تھے۔ چونکہ اس سے پہلے یہ بتایا گیا تھا کہ جب دنیا پر ضلالت چھا جاتی ہے تو اس وقت خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی نبی آتا ہے جس کی لوگ مخالفت کرتے ہیں۔ اس لئے اب فرماتا ہے کہ تم یہ مت سمجھو کہ بغیر ابتلاؤں کے تم ترقی کر جاؤ گے۔ تمہاری ترقی ابتلاؤں کے آنے پر ہی موقوف ہے جیسا کہ پہلوں کی ترقی کا باعث بھی ابتلاء ہی ہوئے۔ چنانچہ اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مَسَّتۡہُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلۡزِلُوۡا حَتّٰی یَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ انہیں مالی مشکلات بھی پیش آئیں اور جانی بھی اور وہ سر سے پاؤں تک ہلا دیئے گئے اور ان پر اسقدر ابتلاء آئے کہ آخر اس وقت کے رسول اور مومنوں کو دُعا کی تحریک پیدا ہو گئی اور وہ پکار اُٹھے کہ اے خدا تیری مدد کہاں ہے۔ اس آیت کے متعلق سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اس کے پاک بندے بھی کسی وقت اللہ تعالیٰ کی مدد سے ایسے مایوس ہو جاتے ہیں کہ انہیں مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ کہنا پڑتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جس مایوسی کا تصور بادی النظر میں پیدا ہوتا ہے اس سے انبیاء اور ان پر ایمان لانے والے کلیۃً پاک ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّہٗ لَا یَایۡـَٔسُ مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰہِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡکٰفِرُوۡنَ (یوسف آیت 88) کہ صرف کافر ہی خدا تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہوتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ عربی زبان کا قاعدہ ہے کہ جب مَتٰی کا لفظ بولیں تو اس سے مراد مایوسی نہیں ہوتی بلکہ تعیین کے لئے ایک درخواست ہوتی ہے

اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ فلاں بات کے لئے ایک وقت مقرر فرما دیا جائے۔ ایسا ہی اس جگہ مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ کے یہ معنے نہیں کہ وہ مایوسی کا شکار ہو کر ایسا کہتے ہیں بلکہ در حقیقت ان الفاظ میں وہ یہ درخواست کرتے ہیں کہ الٰہی اس بات کی تعیین فرما دی جائے کہ وہ مدد کب آئیگی......... یہ دُعا کا ایک موثر طریق ہے۔"

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 467 مطبوعہ ربوہ)

یہاں سے آگے قرآن مجید کا مضمون بدل رہا ہے اور حقوق العباد کے مختلف پہلوؤں پر خاص زور ہے اس لئے اس کتاب 365 دن کا دوسرا حصہ یہاں مکمل ہوتا ہے۔

انشاءاللہ آئندہ مضمون کتاب 365 دن کے تیسرے حصہ میں درج ہو گا۔

درس حدیث نمبر40

حضرت کعب بن عیاضؓ بیان کرتے ہیں سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُولُ إِنَّ لِكُلِّ أُمَّةٍ فِتْنَةً وَفِتْنَةُ أُمَّتِی الْمَالُ۔

(ترمذی کتاب الزھد باب ان فتنة هذه الامة فی المال حدیث نمبر 2336)

ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بعض لوگوں کو بعض قوموں کو دنیا میں حکومت اور قوت اور طاقت اور غلبہ عطا ہوتا ہے اور وہ اپنے رسوخ اور غلبہ پر بڑا فخر محسوس کرتے ہیں جیسا کہ آج کل مغرب کے بعض ممالک کا حال ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ غلبہ ان کو اپنی اچھی تدبیر کے ذریعہ حاصل ہوا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک امتحان ہے ایک ابتلاء ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا لیا جارہا ہے کہ وہ اس حکومت اور غلبہ کے باوجود عدل اور انصاف اور نرمی اور مخلوق کی ہمدردی کے کام کرتے ہیں یا نہیں۔ بعض مردوں اور عورتوں کو حسن وجمال ملا ہوتا ہے اور وہ اس پر ناز کرتے ہیں مگر عالم یہ ہے کہ وہ اپنے حسن وجمال کو خود دیکھ بھی نہیں سکتے جب تک ان کے پاس آئینہ نہ ہو اور روشنی نہ ہو جس سے وہ خود اپنا حسن وجمال دیکھ سکیں۔ بعض لوگ زمینوں اور کھیتوں کے مالک ہوتے ہیں اور اس پر ان کو فخر ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی وہ اپنے جیسے انسانوں کی حق تلفی کر رہے ہوتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں ایک شخص نے یہ مقدمہ دائر کیا کہ اس کے پاس ایک بکری ہے اس کے دوست کے پاس 99 بکریاں ہیں مگر اس کے دوست کی میری ایک بکری کو بھی ہتھیانے کی نظر ہے۔ بعض لوگوں کو صحت اور لمبی عمر ملتی ہے اور وہ اس کو اپنی کسی خوبی کا نتیجہ سمجھتے ہیں مگر یہ مد نظر نہیں رکھتے کہ ان سے پوچھا جائے گا کہ انہوں نے اپنی یہ صحت اور عمر کس اچھے کام میں گزاری۔

جو حدیث آج ہم نے پڑھی ہے اس میں حضور ﷺ یہ سبق دے رہے ہیں کہ ہر قدم پر اللہ تعالیٰ نے کوئی امتحان رکھا ہوا ہے کس کو طاقت کا، کسی کو کوٹھیوں کا، کسی کو علم کا، کسی کو زمینوں کا، کسی کو جانوروں کے گلوں کا اور میری امت کے لئے جو خاص امتحان ہے، وہ مال کا

ہے، دولت کا ہے، کسی کو امت میں مال اور دولت دیا گیا ہے اور اس کا امتحان یہ ہے کہ کیا وہ مال و دولت کا صحیح استعمال کرتا ہے یا نہیں۔ اور اللہ کے اس عطیہ پر شکر کرتا ہے یا نہیں۔ اور کسی کو مال دولت سے کم حصہ ملا ہے اور اس کا امتحان یہ ہے کیا وہ صبر اور سکون سے زندگی گزارتا ہے یا جائز ذرائع سے دولت حاصل کرنا چاہتا ہے؟

درس حدیث نمبر 41

حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُوْمُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَ آنَاءَ النَّهَارِ وَرَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَ آنَاءَ النَّهَارِ۔

(مسلم کتاب الصلاۃ باب فضل من يقوم بالقرآن و يعلمه......حدیث نمبر 266)

لوگ جب کسی شخص کو دیکھتے ہیں جو کسی بڑی کوٹھی میں رہتا ہے تو حسد سے یہ کہتے ہیں کہ کاش ایسی کوٹھی ہمارے پاس بھی ہوتی۔ اگر کسی کو چمکتی دمکتی تیز رفتار موٹر میں جاتے ہوتے دیکھتے ہیں تو خواہش کرتے ہیں کہ ان کے پاس بھی ایسی موٹر ہو۔ کسی کو اعلیٰ کپڑے کا اچھا سلا ہوا سوٹ پہنے ہوئے پاتے ہیں تو تمنا کرتے ہیں کہ ان کے پہننے کے لئے ایسے سوٹ ہوں۔ کسی خوبصورت کو دیکھتے ہیں تو تڑپتے ہیں کہ وہ بھی خوبصورت ہوتے۔ اگر کسی کے ہاں اولاد نہ ہو یا نرینہ اولاد نہ ہو تو چاہتے ہیں کہ ان کو بھی اولاد ملے۔ غرض ہر دنیوی نعمت کو دیکھ کر جو ان کے پاس نہ ہو اور کسی دوسرے کے پاس ہو اپنا دل برا کرتے ہیں اور رشک کرتے ہیں بلکہ حسد کرتے ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ نے اس حدیث میں بہت پیاری نصیحت کی ہے جو انسان کے دین کو بھی سنوارتی ہے اور اس کے دل کی تکلیف اور جلن کو بھی دور کرتی ہے آپؐ نے فرمایا کہ لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ کہ رشک تو صرف دو آدمیوں پر ہی ہو سکتا ہے اور ہونا چاہئے دوسروں پر رشک درست نہیں رَجُلٌ آتَاهُ اللّٰهُ الْقُرْآنَ ایک تو وہ شخص جس کو اللہ نے قرآن دیا ہے قرآن کا علم عطا کیا ہے فَهُوَ يَقُوْمُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اور وہ اس قرآن کے ذریعہ رات کی گھڑیوں میں بھی عبادت کرتا ہے اور آنَاءَ النَّهَارِ اور دن کی گھڑیوں میں بھی قرآن کے ذریعہ عبادت کرتا ہے قرآن پڑھتا ہے، پڑھاتا ہے، اس پر غور کرتا ہے، اس کے احکام پر عمل کرتا ہے، ایسے دو شخصوں پر رشک تو جائز ہے باقی لوگوں پر رشک صرف دل کو جلانے والی بات ہے۔ دوسرا وہ شخص جس کو اللہ نے مال دیا ہے اور وہ اس کو بے دھڑک خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے۔

درس حدیث نمبر 42

ہمارے نبی ﷺ کے ایک صاحبزادہ کا نام ابراہیم تھا آپ چھوٹی عمر میں فوت ہو گئے۔ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ جب صاحبزادہ ابراہیم کی وفات ہوئی تو ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: اِنَّ الْعَیْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ یَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا یَرْضٰی رَبُّنَا۔

کہ آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہے مگر ہم زبان سے صرف وہی بات نکالتے ہیں جو ہمارے رب کو راضی کرے۔

(بخاری کتاب الجنائز باب قول النبی ﷺ انّا بك لمحزونون حدیث نمبر 1303)

ہمارے نبی ﷺ کے اس صبر وضبط کے عظیم نمونہ میں آپؐ کی امت کے لئے ایک عظیم الشان سبق ہے راقم الحروف نے ایک ہسپتال میں ایک مریض کے مرنے پر ایک ایسا تکلیف دہ نظارہ دیکھا کہ بڑی تعداد میں مسلمان کہلانے والی عورتیں رونا پیٹنا، ماتم، نوحہ میں مصروف تھیں اور ہاتھ لمبے کر کر کے اور آسمان کی طرف اٹھا کر شکوہ شکایت کے ناپاک کلمات بلند آواز سے بول رہی تھیں اور یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی امت میں وہ لوگ بھی ہیں جو قرآن کریم کی صبر کے بارہ میں بار بار دی گئی تعلیم کو بھلا کر دوہتڑ مارتے اور خنجر سے اپنے آپ کو زخمی کرتے اور روتے پیٹتے ہیں اور اس چند دن کے ماتم کے بعد پھر سارا سال ہر قسم کی راحت وآرام اور عیش و تفریح میں گزارتے ہیں۔

معلوم نہیں کہ وہ غم دس راتوں کے بعد پھر عیاشی کی زندگی میں کس طرح بدل جاتا ہے اور عیش و عشرت کی زندگی کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور سال کے بعد پھر وہ دس راتیں جب آتی ہیں۔ تو آنسو بہتے ہیں اور سینہ کوبی کی جاتی ہے، خون بہایا جاتا ہے بازاروں میں اور گلیوں میں اچھل کود کر کے غم کا اظہار کیا جاتا ہے اور نماز باجماعت بھول جاتی ہے۔

درس حدیث نمبر 43

بعض دفعہ یہ دیکھتے میں آتا ہے کہ جب نماز باجماعت شروع ہو جاتی ہے یا جب امام نماز پڑھاتے ہوئے رکوع میں چلا جاتا ہے تو بعض بچے بلکہ بعض بڑی عمر کے دوست بھی نماز میں شامل ہونے کے لئے جلدی کی کوشش میں دوڑتے ہوئے آتے ہیں۔ اور بعض اوقات تو ان کے دوڑنے کی وجہ سے ان کے قدموں کی آواز سے نمازیوں کی نماز میں خلل بھی آتا ہے۔

ہمارے نبی ﷺ نے اس سے بڑی تاکید کے ساتھ منع فرمایا ہے حضرت ابوھریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اِذَا سَمِعْتُمُ الْاِقَامَۃَ فَامْشُوْا اِلَی الصَّلَاۃِ کہ جب تم تکبیر تحریمہ کی آواز سنو تو چل کر نماز کے لئے آؤ وَعَلَیْکُمْ بِالسَّکِیْنَۃِ وَالْوَقَارِ اور تم پر سکینت اور وقار لازم ہے وَلَا تُسْرِعُوْا اور جلدبازی سے کام نہ لو فَمَا اَدْرَکْتُمْ فَصَلُّوْا اور نماز تمہیں (امام کے ساتھ) مل جائے وہ پڑھ لو وَمَا فَاتَکُمْ فَاَتِمُّوْا اور جو تم سے رہ جائے وہ پوری کر لو۔

(بخاری کتاب الاذان باب لا یسعی الی الصلوٰۃ ولیأت بالسکینۃ والوقار حدیث نمبر 636)

یہاں حضور ﷺ نے بڑی وضاحت سے حکم دیا ہے کہ نماز شروع ہو چکی ہو تب بھی بھاگ دوڑ درست نہیں وقار کے ساتھ سکینت کے ساتھ آؤ اور نماز میں شامل ہو۔

ان لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو جو رکوع میں شامل ہونے کے لئے دوڑ کر آتے ہیں کیونکہ نماز تو ہم اس لئے پڑھتے ہیں کہ اللہ نے ہمارے نبی ﷺ کے ذریعہ ہمیں نماز کا حکم دیا ہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ ہم نماز پڑھیں مگر اس طرح جس طرح ہمارے نبی کریم ﷺ کا حکم ہے۔ یہ تو عجیب بات لگتی ہے کہ نماز ہم وہ پڑھیں جس کا حضور ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے مگر پڑھیں اس طریق سے جس سے ہمارے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔

درس حدیث نمبر44

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے نبی ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ؐ مجھے کوئی دعا سکھایئے جو میں اپنی نماز میں کیا کروں۔ آپؐ نے فرمایا کہو: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا کَثِیْرًا وَلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مِنْ عِنْدِکَ مَغْفِرَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

(بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ و کان اللہ سمیعا بصیراً حدیث نمبر7387،7388)

کہ اے میرے اللہ میں نے اپنے نفس پر بہت ظلم کیا اور تیرے سوا کوئی گناہ نہیں بخشتا تو مجھے اپنی جناب سے مغفرت عطا فرما۔ یقیناتو ہی بہت بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

یہ ایک بہت ہی لطیف دعا مغفرت کے لئے ہے قرآن شریف فرماتا ہے کہ اللہ سے اپنے گناہوں کی مغفرت مانگو اور یاد رکھو کہ اللہ تمام گناہ بخش دیتا ہے اور یہ بھی فرماتا ہے کہ گناہ بخشنے کی صفت خاص خدا تعالیٰ کی صفت ہے کوئی بھی اس کے سوا یہ اختیار نہیں رکھتا کہ گناہ بخشتا پھرے۔ اور یہ نہیں کہ خدا تھوڑا گناہ بخش کر پھر اگلی جون میں سزا دینے کے لئے رکھ لیتا ہے۔ وہ پوری طرح ہر گناہ کو بخش دیتا ہے اگر بخشش مانگنے والا دیانت داری کے اخلاص کے ساتھ دعا مانگ رہا ہے صرف ہونٹوں کی بڑبڑاہٹ نہیں ہے اس کی دائمی صفت غفور اور رحیم ہے وہ بہت بخشنے والا ہے اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

درس حدیث نمبر 45

ہمارے نبی ﷺ پر جب پہلی قرآنی وحی نازل ہوئی اور آپؐ کو دنیا کی سب سے بڑی ذمہ واری سونپی گئی اور تمام دنیا کے لئے، دنیا کی تمام قوموں کے لئے ہر سفید وسیاہ کے لئے آپؐ کو ہادی بنا کر بھیجا گیا تو چونکہ یہ بہت ہی عظیم اور بہت ہی مشکل ذمہ واری تھی اس لئے طبعاً آپ ﷺ کی طبیعت میں فکر پیدا ہوئی کہ یہ عظیم الشان کام جس کی ذمہ واری آپؐ کے کندھوں پر ڈالی گئی ہے کس طرح سرانجام دیا جائے گا اور اس فکر میں آپؐ غار حرا سے اپنے گھر تشریف لائے اور اپنی بہت بصیرت رکھنے والی زوجہ مطہرہ سے اس کا ذکر فرمایا کہ مجھے تو اپنی جان کا خوف ہے۔

حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کی عظیم الشان اخلاقی قوتوں اور صلاحیتوں اور استعدادوں کا ذکر کرتے ہوئے کہ آپؐ بالکل فکر نہ کریں انہوں نے کہا: كَلَّا وَاللّٰهِ مَا يُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا ہرگز آپؐ ناکام نہیں ہونگے مَايُخْزِيْكَ اللّٰهُ اَبَدًا اللہ کبھی آپؐ کے بے یارو مددگار نہیں چھوڑے گا اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ آپؐ رشتہ داروں سے نیک سلوک کرتے ہیں وَتَحْمِلُ الْكَلَّ تھکے ماندے خستہ حال کا بوجھ اٹھاتے ہیں وَتَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ آپؐ وہ نیکیاں کماتے ہیں جو دنیا سے مٹ چکی ہیں وَتَقْرِی الضَّيْفَ آپؐ مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں۔ وَتُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ اور حادثات زمانہ میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔

(بخاری کتاب بدءالوحی باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ حدیث نمبر 3)

یہ وہ عظیم نذرانہ ہے جو ایک عظیم بیوی نے اپنے عظیم خاوند کے حضور پیش کیا۔ اور یہ ایک ثبوت ہے ہمارے نبی ﷺ کے اخلاق فاضلہ کا جو ایک ایسی ہستی نے دیا جس نے صبح اور شام دن اور رات سفر اور حضر میں آپؐ کو نہایت قریب سے مشاہدہ کیا تھا۔

درسِ حدیث نمبر46

حضرت ابو ہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی ﷺ ایک مجلس میں کچھ بیان فرمارہے تھے کہ ایک بدوی آیا اور اس نے پوچھا کہ وہ گھڑی یعنی قیامت کی گھڑی یا تباہی کی گھڑی کب آئے گی۔ رسول اللہ ﷺ جو بیان فرمارہے تھے وہ بیان فرماتے چلے گئے اور جب فارغ ہوئے تو آپؐ نے دریافت فرمایا کہ اس گھڑی کے متعلق پوچھنے والا کہاں ہے۔اس نے یا رسول اللہ میں یہ حاضر ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: إِذَا ضُيِّعَتِ الْأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ کہ جب امانت ضائع کردی جائے تو تم اس گھڑی کے منتظر رہنا۔اس بدوی نے پوچھا كَيْفَ إِضَاعَتُهَا کہ امانت کو ضائع کرنا کیسے ہوگا؟ آپؐ نے جواب میں فرمایا: إِذَا أُسْنِدَ الْأَمْرُ إِلَى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ کہ جب انتظام ان لوگوں کے سپرد کیا جائے جو اس کے اہل نہ ہوں تو اس گھڑی کا انتظار کرنا۔

(بخاری کتاب الرقاق باب رفع الامانۃ حدیث نمبر 6496)

ہمارے نبی ﷺ نے نو(9) الفاظ پر مشتمل اس فقرہ میں حکمت و دانائی اور قومی ترقی کا ایک ایسا راز بتایا ہے جو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل اور موتیوں میں تولے جانے کے لائق ہے۔

جیسا کہ عبارت سے ظاہر ہے امانت سے مراد انتظام اور حکومت کی ذمہ داری ہے اور ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ جب حکومت کی ذمہ داریاں اور انتظامات کے فرائض ایسے لوگوں کے سپرد کئے جائیں جو ان کاموں کو نہیں سنبھال سکتے تو سمجھو کہ خرابی اور تباہی کی گھڑی آگئی۔

ہم لوگ جو اپنی جماعت میں جماعتی کارکنوں کا یا ذیلی تنظیموں کے کارکنوں کا انتخاب کرتے ہیں ایک بہت بڑا سبق ہے۔

درس حدیث نمبر 47

حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا مَاتَقُوْلُ ذٰلِكَ يُبْقِىْ مِنْ دَرَنِهٖ شَيْئًا قَالُوْالَا يُبْقِىْ مِنْ دَرَنِهٖ شَيْئًا قَالَ فَذَالِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب الصلوات الخمس کفارۃ حدیث نمبر 528)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بتاؤ تو سہی اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر ایک نہر بہتی ہو جس میں وہ ہر روز پانچ بار نہائے تو کیا یہ بات اس کی کوئی میل باقی رہنے دے گی۔ لوگوں نے عرض کیا۔ اس کی کوئی میل باقی نہ رہنے دے گی۔ آپؐ نے فرمایا۔ یہ ہے مثال پانچ نمازوں کی، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ غلطیوں کو مٹاڈالتا ہے۔

اس مبارک حدیث میں ہمارے نبی ﷺ نے ہم گناہگاروں کے گناہوں سے بچنے اور ان کی سزا سے بچنے کے لئے کیا لطیف طریق اختیار فرمایا ہے اور ایسی تشبیہ دی ہے جو خوب اس مضمون کو واضح کرتی ہے اور دل پر اثر ڈالتی ہے کہ ہمارے رحم کرنے والے اللہ نے گناہوں کو مٹانے کا عجیب طریق بیان فرمایا ہے۔ انسان گناہ کرتا ہے کبھی زبان سے کبھی ہاتھ سے کبھی اپنے گھر میں کبھی اپنے ہمسایہ کے ساتھ کبھی بازار میں۔ مگر دن میں پانچ مرتبہ اللہ نے ہمارے گناہوں کو معاف کرنے کا اور ان کا نام و نشان مٹانے کا سامان فرمادیا۔ اور ہمارے پیارے اور محسن نبی ﷺ نے بڑے مؤثر انداز میں اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے ہمیں اطلاع فرمائی ہے۔

درس حدیث نمبر48

حضرت زبیر بن عوامؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهُ فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةِ الْحَطَبِ عَلٰى ظَهْرِهِ فَيَبِيْعَهَا فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ خَيْرٌ لَهُ مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوْهُ۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب الا ستعفاف عن المسألة حدیث نمبر1471)

ہم مشرق کے رہنے والے بعض دفعہ مغرب کے رہنے والوں کی کمزوریاں اور عیب بیان کرتے ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیا کی ہر قوم میں ہر ملک کے لوگوں میں ہر نسل اور ہر رنگ کے لوگوں میں کچھ خوبیاں بھی ہوتی ہیں کچھ عیب بھی ہوتے ہیں مگر مشرق والوں کو یہ بھی مد نظر رکھنا چاہیئے کہ مغرب میں رہنے والوں میں مشرق کے رہنے والوں کے مقابلہ میں ایک خوبی زیادہ نظر آتی ہے اور وہ ہے ہاتھ سے کام کرنے کو عار نہ سمجھنا۔ اور اس کی وجہ سے ان میں ایک صفت پائی جاتی ہے جس پر ہمارے دین میں بہت زور دیا گیا ہے۔ اور وہ ہے مانگنے اور سوال کرنے کے بجائے محنت اور مزدوری کر کے کمانا اور کھانا۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام جو بادشاہ تھے اور اس علاقہ کے بادشاہ تھے جس میں آج اسرائیل کی حکومت قائم ہے۔ مگر حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت آج کی اسرائیل کی حکومت سے علاقہ میں بڑی تھی۔ اتنے بڑے علاقہ کی حکومت کے بادشاہ ہونے کے باوجود ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ

(بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعمله بیدہ حدیث نمبر2072)

حضرت داؤد علیہ السلام ہاتھ سے کام کر کے اپنی روٹی کھاتے تھے۔ خدا کے ایک نبی کا جو بادشاہ بھی تھا یہ کتنا بڑا نمونہ تھا جو آپ نے دنیا کو دکھایا۔

افسوس ہوتا ہے ان لوگوں کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں مضبوط رکھتے ہیں صحت مند ہیں لیکن محنت کرنے کے بجائے لوگوں سے مانگ کر کھا رہے ہوتے ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ نے اس حدیث میں جو ہم نے پڑھی ہے فرمایا کہ: لَأَنْ يَأْخُذَ

أَحَدُكُمْ کہ اگر تم میں سے کوئی اپنی رسی لے فَيَأْتِيَ بِحُزْمَةِ الْحَطَبِ عَلٰى ظَهْرِهٖ اور اپنی پیٹھ پر ایندھن کی لکڑی کا ایک ڈھیر لے کر آئے فَيَبِيْعَهَا اور اس کو فروخت کرے فَيَكُفَّ اللّٰهُ بِهَا وَجْهَهُ اور اس طرح اللہ اس کی عزت و آبرو محفوظ رکھے خَيْرٌ لَّهُ اس کے لئے بہتر ہے مِنْ أَنْ يَسْأَلَ النَّاسَ اس بات سے کہ وہ لوگوں سے مانگتا پھرے أَعْطَوْهُ أَوْ مَنَعُوْهُ اب لوگوں کی مرضی کہ اس کو دیں یا نہ دیں۔

درس حدیث نمبر49

حضرت ابو برزۃؓ بیان کرتے ہیں اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ کَانَ یَکْرَہُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِیْثَ بَعْدَھَا کہ رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز ادا کرنے سے پہلے سو جانا ناپسند فرماتے تھے اور عشاء کی نماز کے بعد (غیر ضروری) باتیں کرنا ناپسند فرماتے تھے۔

(بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب مایکرہ من النوم قبل العشاء حدیث نمبر568)

ہمارے نبی ﷺ کے طریق عمل کی یہ حدیث ہمارے دین اور ہماری دنیا کی خیر و بھلائی کے مضمون سے بھری پڑی ہے۔ اور اس مختصر سی حدیث میں ان دونوں بھلائیوں کا ذخیرہ ہے۔

ہماری دینی بھلائی کے لئے نماز چوٹی کا عمل ہے قرآن شریف نے ایمان کے بعد اعمال میں جس عمل پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ نماز ہے۔ اور ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ فجر اور عشاء یہ دونوں نمازیں منافقین پر بہت بھاری ہیں۔

(بخاری کتاب الاذان باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ حدیث نمبر657)

تو ہماری دینی بھلائی کے لئے نماز نہایت ضروری اور اہم چیز ہے اور اس کو پڑھے بغیر سو جانا یہ خطرہ پیدا کرتا ہے کہ شاید آدمی صبح تک سوتا رہے اور نماز رہ ہی جائے۔

دنیا کی ایک بہت بڑی بھلائی کا ذکر بھی اس حدیث میں ہے۔ صحت دنیا کی نعمتوں میں سے بہت بڑی نعمت ہے اور آج کی دنیا میں لوگوں نے جو تمدن اختیار کیا ہوا ہے بعض سائنسدان یہ کہتے ہیں کہ آدھی رات سے پہلے کی ایک گھنٹہ نیند اپنے فائدہ اور آرام کے لحاظ سے آدھی رات کے بعد کی دو گھنٹہ کی نیند کے برابر ہے۔

اور پھر جلدی سونے کا دینی فائدہ بھی زبردست ہے کہ انسان تہجد کی نماز کے لئے جاگ سکتا ہے فجر کی نماز کے لئے تازہ دم ہو کر کھڑا ہو سکتا ہے۔ اب دیکھیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی کسی چیز کے لئے ناپسندیدگی انسان کے کے لئے کتنی نقصان دہ ہے۔ اور آپ کا کسی چیز کو پسند کرنا انسان کے دینی اور دنیوی فائدہ کے لئے کتنا اچھا ہے۔

درس حدیث نمبر50

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اللہ عزوجل قیامت کے دن فرمائے گا یَا ابْنَ آدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِيْ کہ اے ابن آدم میں بیمار ہوا مگر تم نے میری عیادت نہ کی قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَعُوْدُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وہ بندہ کہے گا اے میرے رب میں کیسے تیری عیادت کرتا اور تو ربّ العالمین ہے۔

قَالَ اللہ فرمائے گا أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ عَبْدِيْ فُلَانًا مَرِضَ فَلَمْ تَعُدْهُ کیا تمہیں پتہ نہیں تھا کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا اور تو نے اس کی عیادت نہ کی أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ عُدْتَهُ لَوَجَدْتَنِيْ عِنْدَهُ! کیا تمہیں علم نہیں تھا کہ اگر تم اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے یَا ابْنَ آدَمَ اسْتَطْعَمْتُكَ فَلَمْ تُطْعِمْنِيْ اے ابن آدم میں نے تجھ سے کھانا چاہا مگر تم نے مجھے کھانا نہ کھلایا قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أُطْعِمُكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وہ بندہ کہے گا اے میرے رب میں تجھے کیسے کھلاتا اور تو رب العالمین ہے؟ قَالَ أَمَا عَلِمْتَ أَنَّهُ اسْتَطْعَمَكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اللہ کہے گا کیا تمہیں علم نہیں تھا کہ تم سے میرے فلاں بندہ نے کھانا مانگا مگر تم نے اسے کھانا نہ کھلایا أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْ أَطْعَمْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَالِكَ عِنْدِيْ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر تم اس کو کھانا کھلاتے تو (اس کی جزاء) میرے پاس پاتے یَا ابْنَ آدَمَ اسْتَسْقَيْتُكَ فَلَمْ تَسْقِنِيْ اے میرے بندے میں نے تجھ سے پینے کو مانگا مگر تم نے مجھے نہ پلایا قَالَ يَا رَبِّ كَيْفَ أَسْقِيْكَ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِيْنَ وہ بندہ کہے گا اے میرے رب میں تجھے کیسے پلاتا اور تو رب العالمین ہے؟ قَالَ اسْتَسْقَاكَ عَبْدِيْ فُلَانٌ فَلَمْ تَسْقِهِ اللہ فرمائے گا میرے فلاں بندے نے تجھ سے پینے کو مانگا مگر تم نے اس کو نہ پلایا أَمَا عَلِمْتَ أَنَّكَ لَوْسَقَيْتَهُ لَوَجَدْتَ ذَالِكَ عِنْدِيْ کیا تمہیں پتہ نہیں کہ اگر تم اس کو پلاتے تو (اس کا اجر) میرے پاس پاتے۔

(مسلم کتاب البر والصلۃ والآدب باب فضل عيادة المريض حدیث نمبر 6556)

حضرت ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَطْعِمُوْا الْجَائِعَ بھوکے کو کھانا کھلاؤ وَعُوْدُوا الْمَرِيْضَ اور بیمار کی عیادت کرو وَفُكُّوا الْعَانِيَ اور قیدی کو رہا کرو۔

(بخاری کتاب المرضیٰ باب وجوب عيادة المريض حدیث نمبر 5649)

درسِ حدیث نمبر 51

اسلام کی تعلیم میں جہاں دل کی پاکیزگی اور نیکی کا حکم دیا گیا ہے وہاں ظاہری نیکی اور پاکیزگی پر بھی بہت زور ہے۔ کیونکہ ظاہر کا اثر باطن پر پڑتا ہے اور باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے پر اچھائی یا برائی میں اثر ڈالتے ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ کہ تم لوگ اپنی صفیں (نماز پڑھتے ہوئے) سیدھی بناؤ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہروں کے درمیان مخالفت پیدا کر دے گا۔

(بخاری کتاب الجماعۃ والامامۃ باب تسویۃ الصفوف عند الاقامۃ و بعدھا حدیث نمبر 717)

اور مسلم میں ہے کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُسَوِّیْ صُفُوْفَنَا کہ رسول اللہ ﷺ ہماری (نماز کی) صفیں سیدھی کروایا کرتے تھے حَتّٰى كَأَنَّمَا يُسَوِّي بِهَا الْقِدَاحَ یہاں تک کہ گویا آپؐ ان سے تیر سیدھا کر رہے ہیں۔ حَتّٰى رَأَي أَنَّا قَدْ عَقَلْنَا عَنْهُ ثُمَّ خَرَجَ يَوْمًا یہاں تک کہ آپؐ نے دیکھا کہ ہم یہ بات سمجھ گئے ہیں پھر آپؐ ایک دن باہر تشریف لائے اور (نماز کے لئے) کھڑے ہوئے حَتّٰى كَادَ يُكَبِّرُ یہاں تک کہ قریب تھا کہ اقامت کہی جائے۔ فَرَأَي رَجُلًا بَادِيًا صَدْرُهُ آپؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس نے اپنا سینہ نکالا ہوا تھا فَقَالَ تو آپؐ نے فرمایا: عِبَادَ اللّٰهِ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللّٰهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ کہ بخدا تو اپنی صفیں سیدھی کرو گے یا اللہ تمہارے چہروں کے درمیان مخالفت ڈال دے گا۔

(مسلم کتاب الصلوٰۃ باب تسویۃ الصفوف واقامتها وفضل الاول فأول منها...... حدیث نمبر 979)

اس حدیث میں یہ توجہ دلائی گئی ہے کہ ظاہر کا دل پر اور دل کا ظاہر پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اور ظاہر کا ٹیڑھا پن اور غلط روش تعلقات کی غلط روش کا باعث ہو سکتے ہیں۔ نماز خدا کا حکم ہے جو ہمارے نبی ﷺ کے واسطے سے ہم کو ملا اور صحیح نماز وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ہمیں سکھائی اس لئے ہمارا فرض ہے کہ نماز اسی طرح ادا کریں جس طرح ہمیں سکھائی گئی ہے۔

درس حدیث نمبر52

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا آپؐ فرماتے تھے: عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ بَاتَتْ تَحْرُسُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

(ترمذی کتاب فضائل الجہاد باب ما جاء فی فضل الحرس فی سبیل اللہ حدیث نمبر1639)

کہ دو آنکھیں ہیں جن کو کبھی آگ نہیں چھوئے گی ایک تو وہ آنکھ جو اللہ کی خشیت کی وجہ سے آنسو بہائے اور دوسری وہ آنکھ جو خدا کی راہ میں پہرہ دیتے ہوئے بیدار رہے۔

اس حدیث میں ہمارے نبی ﷺ نے دین کے دو پہلوؤں کا نہایت لطیف رنگ میں تذکرہ فرمایا ہے۔ دین کا ایک پہلو خدا تعالیٰ کے حسن واحسان کی وجہ سے اس سے محبت اور خدا تعالیٰ کے جلال اور عظمت کے احساس کی وجہ سے اس کا خوف اور ڈر ہے اور یہ دونوں باتیں ہیں جن کی وجہ سے انسان کی آنکھیں آنسو بہاتی ہیں۔

محبوب کی محبت کی وجہ سے بھی انسان روتا ہے اور محبوب کی ناراضگی اور جدائی کے ڈر سے بھی انسان روتا ہے اس لئے وہ آنکھ جو خدا کی محبت میں آنسو بہاتی ہے اور خدا کی خشیت کی وجہ سے آنسو بہاتی ہے آگ اس کے قریب بھی نہیں جاسکتی۔

دین کا دوسرا پہلو ہے دین کی خدمت کے کام میں محنت کرنا جہد وجہد کرنا کوشش کرنا دین کی حفاظت کے لئے جانفشانی کرنا حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو آنکھ اللہ کے راستہ میں پہرہ دیتی ہیں رات جاگتے گزار دیتی ہو اس آنکھ کو بھی آگ نہیں چھوئے گی۔ اس آنکھ نے خدمت کرتے ہوئے جاگتے رات گزاری ہے۔

تو ہمارے نبی ﷺ نے ایک طرف روحانیت اور محبت الٰہی اور خوف خدا کرنے والی آنکھ کو عذاب سے محفوظ قرار دیا ہے اور دوسری طرف خدمت دین کرنے والی آنکھ کو عذاب سے محفوظ قرار دیا ہے۔

درس حدیث نمبر 53

حضرت ابو مسعود عقبہ بن عمروؓ جو انصار میں سے تھے اور ان کو بدر میں شامل ہونے کا اعزاز حاصل تھا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ

(مسلم کتاب الامارۃ باب فضل اعانة الغازی فی سبیل اللّٰہ بمر کوب...... حدیث نمبر 4899)

ان مختصر سے الفاظ میں ہمارے نبی ﷺ نے نیکی کرنے اور ثواب حاصل کرنے کا ایک عظیم الشان دروازہ کھول دیا ہے۔ جب ہماری جماعت میں دربار خلافت سے کسی نیک کام کے لئے چندہ کی تحریک ہوتی ہے تو جو لوگ معمولی آمد رکھتے ہیں اور بہ مشکل گزارہ کر رہے ہوتے ہیں مگر ان کے دل میں اخلاص اور نیکی جوش مار رہی ہوتی ہے وہ تڑپتے اور بے چین ہو رہے ہوتے ہیں کہ کاش ان کو بھی مالی خوشحالی ہوتی اور وہ بھی بڑھ چڑھ کر اس تحریک میں حصہ لیتے۔ جب حضرت صاحب کی طرف سے اپنے بچوں کو وقف کرنے کی تحریک فرماتے ہیں تو وہ احمدی جن کے بچے نہ ہوں یہ خواہش کرتے ہیں کہ اللہ ان کو اولاد دیں اور وہ اس کو وقف کر کے اللہ کے حضور پیش کریں۔ جو مختصر حدیث آج کے درس میں ہے اس کے مضمون پر عمل کر کے ایسے بے دست و پا لوگ بھی خدمت میں حصہ لے سکتے ہیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں: مَنْ دَلَّ عَلٰی خَیْرٍ فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِ فَاعِلِہٖ

کہ جو شخص کسی کو نیکی کی تحریک کرتا ہے کسی اچھے کام کی راہ دکھاتا ہے اس کے لئے وہی اجر ہے جو ان نیکی کے اچھے کام کرنے والے کو ملے گا۔

اس لطیف نکتۂ معرفت کے ذریعہ ہمارے نبی ﷺ نے نیکی اور ثواب کا ایک وسیع میدان کھول دیا ہے اور معاشرہ میں بھی باہمی تعلقات کو اچھے رنگ میں بڑھانے کا رستہ کھول دیا ہے اور ان لوگوں کی تسکین کے سامان بھی فرما دیئے ہیں جو دوسروں کو نیک کام کرتے دیکھ کر اپنی محرومی پر دکھ محسوس کرتے ہیں۔ ہر وہ شخص جو خود مجبوریوں کی وجہ سے نیک کام میں شمولیت نہیں کر سکتا وہ اپنی زبان و قلم سے دوسروں کو نیکی کی تحریک کر کے وہی نیکی کما سکتا ہے۔

درس حدیث نمبر 54

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا اَوٰی اِلٰی فِرَاشِہٖ نَفَثَ فِیْ کَفَّیْہِ بِقُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ وَ بِالْمُعَوَّذَتَیْنِ جَمِیْعًا ثُمَّ یَمْسَحُ بِھِمَا وَجْھَہٗ وَمَا بَلَغَتْ یَدَاہُ مِنْ جَسَدِہٖ

(بخاری کتاب الطب باب النفث فی الرقیۃ حدیث نمبر 5748)

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لے جاتے تو سورۃ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور وہ دو سورتیں جو معوذتین کہلاتی ہیں یعنی قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ یہ سب اکٹھی پڑھ کر پھر دونوں ہاتھوں پر پھونکتے پھر ان ہاتھوں کو اپنے چہرۂ مبارک پر پھیرتے اور اپنے جسد مبارک پر بھی جہاں تک ہاتھ پہنچتے۔

اس حدیث کو پڑھ کر حضرت مصلح موعودؓ کا ایک مصرع یاد آجاتا ہے کہ

سوؤں تو تجھ کو دیکھ کر جاگوں تو تجھ پہ ہو نظر

ہمارے نبی ﷺ کے متعلق امام بخاریؒ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ کَانَ یَذْکُرُ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ اَحْیَانِہٖ

(ابن ماجہ کتاب الطہارۃ وسننہا باب ذکر اللہ عزوجل علی الخلاء والخاتم فی الخلاء حدیث نمبر 302)

کہ آپؐ ہر وقت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فرماتے ۔ تو جیسا کہ اس حدیث میں ہے آپ ﷺ سونے سے قبل بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرکے سوتے اور رات کو آنکھ کھلتی تو اللہ کا ذکر فرماتے۔ تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اس وقت ذکر اللہ کرتے اس طرح ہر کام سے پہلے اور بعد اللہ کا ذکر کرنا آپ ﷺ کا معمول تھا۔

سونے سے پہلے آپ ﷺ قرآن شریف کی آخری تین سورتیں پڑھ کر اپنے ہاتھوں پر پھونک مار کر ان کو اپنے چہرہ اور جسد پر پھیر لیتے۔ سورۃ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ میں توحید کی کامل تعلیم ہے اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ میں تمام خارجی چیزوں کے شر سے بچنے کی دعا ہے اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ میں انسان کے نفس کے اندر جو خیالات اٹھتے ہیں ان کی برائیوں سے بچنے کے لئے دعا کی گئی ہے۔

درس حدیث نمبر 55

عَنِ عَبْدِ الْعَزِیْزِ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ اَنَساً مَاسَمِعْتَ نَبِیَّ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ الثُّوْمِ؟ فَقَالَ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ أَکَلَ مِنْ ھٰذِہِ الشَّجَرَۃِ فَلَا یَقْرَبْنَا اَوْلَا یُصَلِّیَنَّ مَعَنَا

(بخاری کتاب الاذان باب ماجاء فی الثوم النئ والبصل الکراث حدیث نمبر 856)

اسلام سے پہلے بعض مذاہب میں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی تھی کہ مذہب گندہ رہنا اور گندے کپڑے پہننا سکھاتا ہے۔ یہ خیال بھی پیدا ہوتا رہا کہ جتنی جوئیں ایک آدمی کے سر اور کپڑوں میں ہوں گی اتنا ہی ثواب اس کو ملے گا۔ بعض شدت پسند مسلمانوں میں بھی یہی خیال رہا ہے جو اسلام کی تعلیم کے بالکل خلاف ہے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام تر سادگی کے باوجود نہایت صاف اور پاکیزہ رہتے تھے آپؐ کا بدن اور آپؐ کے بال اور آپؐ کا لباس حد درجہ پاکیزہ ہوتا اور صاف اور نفیس مگر سادہ ہوتا تھا۔ آپؐ خوشبو کو حد درجہ پسند فرماتے اور حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کوئی ریشم آپؐ کی ہتھیلی سے زیادہ ملائم نہیں چھوئی اور میں نے کوئی مہک آپؐ کی مہک سے زیادہ عمدہ نہیں سونگھی۔

(مسلم کتاب الفضائل باب طیب رائحۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... حدیث نمبر 6053)

جو حدیث آج پڑھی گئی ہے اس میں عبدالعزیز بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت انس بن مالکؓ سے پوچھا کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لہسن کے بارہ میں کیا سنا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص یہ سبزی کھائے وہ ہمارے قریب نہ آئے اور نہ ہی ہمارے ساتھ نماز پڑھے۔ اب اس کے باوجود کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز باجماعت کے لئے حاضر ہونے کی حد درجہ تاکید فرماتے تھے۔ آپؐ نے ان لوگوں کو جنہوں نے کچا لہسن کھایا ہو، مجمع میں آنے اور نماز باجماعت میں حاضر ہونے سے منع فرمایا کیونکہ اس میں ایسی بو اٹھتی ہے جو دوسروں کو تکلیف دیتی ہے۔

درس حدیث نمبر56

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم أُتِیَ بِلَبَنٍ قَدْ شِیْبَ بِمَاءٍ وَّعَنْ یَمِیْنِہٖ أَعْرَابِیٌّ وَعَنْ شِمَالِہٖ اَبُوْبَکْرٍ فَشَرِبَ ثُمَّ اَعْطَی الْأَعْرَابِیَّ وَقَالَ اَلْاَیْمَنَ اَلْاَیْمَنَ

(بخاری کتاب الاشربۃ باب الأیمن فالأیمن فی الشرب حدیث نمبر5619)

قرآن شریف میں اچھے لوگوں کا ذکر دائیں طرف والوں کے طور پر کیا گیا ہے اور نابکار لوگوں کا ذکر بائیں طرف والوں کے طور پر کیا گیا ہے۔ یہ ایک قدرتی انداز ہے دو گواہوں کو الگ الگ کر کے دکھانے کا۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو کام بجا لاتے اس کو اگر دائیں اور بائیں دونوں طرف سے شروع کیا جا سکتا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت باقاعدگی سے دائیں طرف سے ابتداء کرتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کاموں میں دائیں طرف سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے۔ اگر اجتماعی طور پر کھانا پینا ہو تو اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ پسند فرماتے کہ درمیانی بزرگ کے بعد ڈش وغیرہ دائیں طرف چلایا جائے۔

حضرت انس بن مالکؓ جن کو لمبا عرصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا موقع ملا، بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دودھ پیش کیا گیا جس میں پانی ملایا گیا تھا (ہمارے ملک میں غالباً اس کو کچی لسی کہتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ پیا اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہاتھ ایک بدو بیٹھا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ حضرت ابو بکرؓ تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے اس دودھ میں سے کچھ پیا پھر اپنے دائیں ہاتھ بیٹھے ہوئے بدو کو پینے کے لئے دیا اور اس کی وجہ کی وضاحت بھی یہ کہہ کر فرما دی کہ

اَلْاَیْمَنَ اَلْاَیْمَنَ

دائیں طرف پھر دائیں طرف۔

درس حدیث نمبر 57

حضرت جریر بن عبد اللہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَا یَرْحَمِ النَّاسَ لَا یَرْحَمْہُ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ

(مسلم کتاب الفضائل باب رحمة الصبيان و العيال وتواضعه وفضل ذالك حدیث نمبر 6030)

حضرت جریر بن عبد اللہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا: جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اللہ اس پر رحم نہیں کرتا۔

یہ چھوٹا سا فقرہ جو ہمارے نبی ﷺ کی زبان مبارک سے نکلا ہے دنیا کی ہر بے رحمی، ناجائز سختی، بدمزاجی، بداخلاقی، دوسروں کی حق تلفی، بچوں اور عورتوں اور اپنے جیسے کمزوروں پر ظلم کی جڑھ کاٹنے کے لئے کافی ہے۔ لوگ خدا کا نام لیتے ہیں بظاہر اس سے خوف کا اظہار کرتے ہیں، اس کی عبادت اور اس کی محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن اگر وہ خدا کی مخلوق پر شفقت نہیں کرتے، ان سے محبت نہیں کرتے، ان سے ہمدردی کا سلوک نہیں کرتے تو ان کا یہ دعویٰ کہ وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں اور خدا کے بندے ہیں اور اگلے جہان میں خدا اسے نرمی اور پیار کا سلوک کرے گا سراسر بے معنی ہے۔ مشہور حدیث ہے کہ اَلْخَلْقُ عَیَالُ اللّٰہِ

(المعجم الاوسط جلد 5 صفحہ 153 حدیث نمبر 5541 باب من اسمه محمد، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت 1999ء)

کہ خدا کے بندوں کو خدا سے وہی تعلق ہے جو بچوں کو اپنے ماں باپ سے ہوتا ہے۔ جس طرح کوئی ماں باپ اس شخص سے خوش نہیں ہوسکتے جو ان کے بچوں کو دکھ دیتا ہے اور رحم سے کام نہیں لیتا اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں کرتا جو اس کے بندوں پر ظلم کرتا ہے۔ ایک دفعہ کچھ صحرائی بدّو حاضر تھے انہوں نے پوچھا کیا تم لوگ اپنے بچوں کو چومتے ہو؟ جواب ملاہاں ان بدّوؤں نے کہا مگر ہم تو نہیں چومتے۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا اگر تمہارے دلوں سے اللہ تعالیٰ نے رحمت نکال لی ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں۔

درس حدیث نمبر58

حضرت ابو سعیدؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا:صَلٰوۃُ الْجَمَاعَۃِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَۃً

(بخاری کتاب الاذان باب فضل صلاۃ الجماعۃ وکان الأسود......حدیث نمبر646)

ایک شخص کی زندگی کے دو پہلو ہیں ایک پہلو اس کی اپنی زندگی کا ہے اور دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ ایک معاشرہ کا ایک سوسائٹی کا حصہ ہے جس میں اس کے تعلقات دوسرے لوگوں سے قائم ہوتے ہیں۔ ایک انسان کی اپنی زندگی میں بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں، کچھ ضرورتیں ہیں، کچھ کام اس کو اپنی ذاتی زندگی کے بارہ میں بھی کرنے پڑتے ہیں اور کچھ ذمہ واریاں انسان کی لوگوں سے تعلقات وجہ سے بھی پڑتی ہے اس کو اپنے بیوی بچوں کے ساتھ، اپنے ماں باپ اور دوسرے رشتہ داروں کے ساتھ، اپنے محلہ والوں کے ساتھ، ہم سایوں کے ساتھ، شہر والوں کے ساتھ، اپنے ملک والوں کے ساتھ تعلقات کی وجہ سے ذمہ واریاں ادا کرنا پڑتی ہیں۔

اسلام نے جو تعلیم ایک انسان کو دی ہے اس کے بھی یہی دو پہلو ہیں۔ بعض احکامات اور بعض چیزوں سے رکنے کا حکم ایک انسان کی ذات سے تعلق رکھتا ہے اور بعض احکامات اور بعض چیزوں سے رکنے کا حکم ایک شخص کے دوسروں سے تعلقات کی وجہ سے ہے۔

عبادت کے بارہ میں جو حکم ہیں وہ بھی دو طرح کے ہیں۔ بعض عبادتیں ایک آدمی کی ذاتی عبادتیں ہیں۔ وہ رات کو اٹھتا ہے، وضو کرتا ہے، نفل پڑھتا ہے، باقی دنیا کو اس کا پتہ بھی نہیں لگتا۔ دوسری طرف ایک مرد کو یہ حکم ہے کہ پانچ وقت اپنے محلہ کی مسجد میں نماز باجماعت ادا کرے، جمعہ کے دن شہر کے لوگوں کے ساتھ جمعہ ادا کرے، سال میں دو دفعہ اپنے علاقہ کے لوگوں کے ساتھ عیدین کی نماز پڑھے۔ توفیق ہو تو حج کے لئے مکہ جا کر ملک ملک کے لوگوں کے ساتھ عبادت میں شریک ہو۔ الگ تنہائی میں اکیلے نماز پڑھنے کی برکتیں بھی ہیں۔

مگر دن میں پانچ دفعہ اپنے محلہ کے لوگوں کے ساتھ باجماعت نماز کی اپنے برکتیں ہیں اس لئے جو نماز باجماعت ادا کی جاتی ہے اس کے متعلق ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز اکیلے نماز سے 25 درجہ زیادہ ہے۔

درس حدیث نمبر 59

حضرت ابو ہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ

(بخاری کتاب الصوم باب من لم یدع قول الزور والعمل به فی الصوم حدیث نمبر 1903)

رمضان المبارک کے روزے رکھ کر صبح سے شام تک کچھ نہ کھانا نہ پینا اور بھوک اور پیاس کا مقابلہ کرنا خصوصاً بعض علاقوں میں جہاں سخت گرمی پڑتی ہے اور دن بھی 17، 18 گھنٹے کا ہو جاتا ہے ایک زبردست مجاہدہ ہے اور اللہ کے فضل سے سچے مومن اس مجاہدہ میں پورے اترتے ہیں۔ مگر حضور ﷺ کی جو حدیث مبارکہ پڑھی گئی ہے اس میں ایک زبردست انذار بھی ہے۔

بعض لوگ روزہ رکھتے ہیں بھوک اور پیاس کی تکلیف برداشت کرتے ہیں لیکن اگر تاجر ہیں تو سودے میں خیانت کے مرتکب بھی ہو جاتے ہیں، افسر ہیں تو رشوت لینے سے گریز نہیں کرتے، زمیندار ہیں تو دوسروں کی زمین پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ طالبعلم ہیں تو امتحان دیتے ہوئے نقل کرتے ہیں، استاد ہیں تو اپنی گھنٹی میں سنجیدگی کے ساتھ پڑھانے کے بجائے بے کار باتیں کر رہے ہوتے ہیں، خاتون خانہ ہیں تو اپنی ہمسائی خواتین کی عیب شماری کر رہی ہوتی ہیں، گواہ ہیں تو جھوٹی گواہی دے رہے ہوتے ہیں، ڈرائیور ہیں تو ٹریفک کے قواعد کی پابندی نہیں کرتے، اگر حکیم ہیں تو غلط دوائی تجویز کرتے ہیں، اگر پنساری ہیں تو ناقص دوائی مریض کو مہیا کرتے ہیں، اگر دودھ فروش ہیں تو اس میں پانی ملا دیتے ہیں، اگر مولوی ہیں تو جھوٹے فتاویٰ دیتے ہیں بلکہ نکاح پر نکاح پڑھا دیتے ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا ہے کہ جو جھوٹی بات نہیں چھوڑتا، جھوٹی بات پر عمل کرنا نہیں چھوڑتا تو اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ (روزہ رکھ کر) اپنا کھانا پینا چھوڑے۔

درس حدیث نمبر60

حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِتَّقُوْا اللَّعَّانِیْنَ قَالُوْا وَمَا اللَّعَّانَانِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ قَالَ الَّذِیْ یَتَخَلّٰی فِیْ طَرِیْقِ النَّاسِ أَوْ ظِلِّھِمْ

(مسلم کتاب الطہارۃ باب النھی عن التخلی فی الطرق والظلال حدیث نمبر 618)

ہمارے نبی ﷺ تو ہر نیکی اور ہر خوبی میں تمام بنی آدم سے بڑھے ہوئے تھے آپؐ کی دو خوبیوں کی جھلک اس مختصر فقرہ میں نظر آجاتی ہے۔ آپ ﷺ حد درجہ پاک صاف، نفیس اور لطیف تھے۔ آپؐ کا لباس بہت سادہ مگر پاکیزہ ہوتا تھا۔ آپؐ کے بدن مبارک سے خوشبو کی مہک آتی تھی۔ آپؐ کی حد درجہ مجاہدانہ زندگی کے باوجود آپؐ کی ہتھیلی کو چھونے والے بتاتے ہیں کہ ہر قسم کے ریشم سے زیادہ ملائم تھی۔ دوسری خوبی جو اس فقرہ میں جھلکتی ہے یہ ہے کہ آپ ﷺ انسانوں کو دکھ پہنچانے والی ہر چیز کو حد درجہ ناپسند کرتے اور اس سے منع فرماتے تھے۔

حضرت ابو ہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو باتوں سے جو لعنت کا باعث ہوتی ہیں بچو۔ ایک لعنت تو اس شخص کو دی جاتی ہے جو لوگوں کے چلتے راستے پر قضاء حاجت کرتا ہے اور دوسرے اس شخص کے لئے جو لوگوں کی سایہ دار جگہ پر (جہاں لوگ آرام کرتے ہیں) قضاء حاجت کرتا ہے۔

ان دونوں ارشادات سے جہاں حضور ﷺ کے پبلک کو تکلیف دہ چیزوں سے بچانے کا حکم ہے، وہاں حضور ﷺ کی صفائی اور نفاست کا اظہار بھی ہوتا ہے۔

درس حدیث نمبر 61

حضرت عثمان بن عفّان رضی اللہ تعالیٰ بیان کرتے ہیں: اِنِّیْ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ مَنْ بَنَی مَسْجِدًا......بَنَی اللّٰہُ لَہٗ مِثْلَہٗ فِی الْجَنَّۃِ۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من بنی مسجداً حدیث نمبر 450)

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری جماعت کو دنیا کے ملک ملک میں خدا کی عبادت اور اس کے نام کو بلند کرنے کے لئے مساجد کی تعمیر کی توفیق مل رہی ہے اور جماعت اللہ کے فضل سے تعمیر مساجد کی برکتوں سے متمتع ہو رہی ہے اور ہزاروں اشخاص اسلام اور احمدیت کی آغوش میں آرہے ہیں دراصل مساجد کو اسلام میں مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ پانچ(5) وقت مسلمان بھائی خدا کے گھر میں اکٹھے ہوتے ہیں، عبادت بھی کرتے ہیں اور اسلام کی اشاعت اور خدمت کے مختلف پہلوؤں پر مشورہ بھی کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی خیریت کا علم بھی ان کو ہوتا ہے۔

غیر مسلموں کو بھی مسجد آکر اسلام کی اصل اور صحیح تعلیم سے واقفیت ہوتی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو اپنے رہائشی گھروں کی تعمیر سے بھی پہلے حضور ﷺ نے مسجد کی تعمیر کی۔ بلکہ خود اس کی تعمیر میں بنفس نفیس کام کیا۔

حضرت عثمان بن عفّانؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا: مَنْ بَنَی مَسْجِدًا کہ جو شخص مسجد کی تعمیر کرتا ہے بَنَی اللّٰہُ لَہٗ مِثْلَہٗ فِی الْجَنَّۃِ اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت ویسی ہی تعمیر کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"اس وقت ہماری جماعت کو مساجد کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ خانۂ خدا ہوتا ہے۔ جس گاؤں یا شہر میں ہماری جماعت کی مسجد قائم ہو گئی تو سمجھو کہ جماعت کی ترقی کی بنیاد پڑ گئی۔ اگر کوئی ایسا گاؤں ہو یا شہر جہاں مسلمان کم ہوں یا نہ ہوں اور وہاں اسلام کی ترقی کرنی ہو تو ایک مسجد بنا دینی چاہیے پھر خدا خود مسلمانوں کو کھینچ لاوے گا لیکن شرط یہ ہے کہ قیامِ مسجد میں نیت بہ اخلاص ہو۔ محض للہ اُسے کیا جاوے۔ نفسانی اغراض یا کسی شرّ کو ہرگز دخل نہ ہو، تب خدا برکت دے گا۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 93 مطبوعہ ربوہ)

درس حدیث نمبر62

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ......قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ نَضَّرَ اللّٰہُ اِمْرَءً سَمِعَ مِنَّا شَیْئًا فَبَلَّغَہٗ کَمَا سَمِعَہٗ۔

(ترمذی کتاب العلم باب الحث علی تبلیغ السماع حدیث نمبر2657)

ہماری جماعت کی تعلیم کی اصل بنیاد قرآن شریف پر ہے، اس کے بعد ہمارے نبی ﷺ کی سنت پر۔ پھر احادیث ان دونوں بنیادی چیزوں کے لئے گواہ کی حیثیت رکھتی ہیں اور قرآن مجید اور سنت کی تعلیمات کو سمجھانے اور تشریح کرنے کے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھیجا۔ آپ کے خلفاء کرام اللہ تعالیٰ کے القاء سے جماعت کی علمی رہنمائی کرتے ہیں۔ یہ رہنمائی جہاں تحریر کی شکل میں ہوتی ہے وہاں زبانی سوالات کی شکل میں بھی ہوتی ہے اسی طرح جماعت کی تاریخ بھی زبانی روایات کی شکل میں ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچی ہے۔ یہ روایات چونکہ زبانی چلتی ہیں اور ان کی بنیاد ہی حافظہ پر ہوتی ہے اس لئے اس میں غلطی یا غلط فہمی کا امکان ہو سکتا ہے۔ اس لئے روایت کے بیان کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔

جو حدیث آج کے درس میں پیش کی جارہی ہے اس میں یہ مضمون بھی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپؐ فرمارہے تھے نَضَّرَ اللّٰہُ اِمْرَءً اللہ اس شخص کو تروتازہ رکھے سَمِعَ مِنَّا شَیْئًا جس نے ہم سے کوئی بات سنی فَبَلَّغَہٗ کَمَا سَمِعَہٗ اور جس طرح اس نے وہ بات سنی اسی طرح ہی آگے پہنچائی۔ اس حدیث میں حضور ﷺ نے بڑی پیاری دعا اس شخص کو دی ہے جو جس طرح بات سنتا ہے اسی طرح ٹھیک ٹھیک بغیر کسی کمی بیشی کے آگے پہنچاتا ہے۔

درس حدیث نمبر 63

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: عَلَی الْمَرْءِ الْمُسْلِمِ اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ فِيْمَا اَحَبَّ وَكَرِهَ اِلَّا اَنْ يُؤْمَرَ بِمَعْصِيَةٍ فَاِنْ اُمِرَ بِمَعْصِيَةٍ فَلَا سَمْعَ وَلَا طَاعَةَ۔

(مسلم کتاب الامارۃ باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة و تحریمها فی المعصیة حدیث نمبر 4763)

بعض دفعہ یہ افسوسناک بات دیکھنے میں آتی ہے بعض لوگ اس وقت تک بڑے ذوق و شوق سے ذمہ وار عہدیداروں کی فرمانبرداری کرتے ہیں کہ جب وہ حکم یا فیصلہ جو دیا جارہا ہے ان کی پسند کے مطابق ہو مگر جب کوئی ایسا حکم ہو یا ایسا فیصلہ ہو جو انہیں ناپسند ہو تو ادھر اُدھر کے بہانے بنانے لگتے ہیں۔ ہمارے نبی ﷺ کی یہ تعلیم نہیں جو حدیث پڑھی گئی ہے اور حضرت عمرؓ کے بیٹے حضرت عبداللہؓ سے مروی ہے جس میں ہمارے نبی ﷺ نے صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ ایک مسلمان شخص پر حکم اور فیصلہ کا سننا اور پھر اس کی اطاعت کرنا لازمی ہے صرف ایک صورت ہے کہ واضح طور پر وہ حکم کسی گناہ کا حکم ہو اور کوئی شبہ نہ ہو کہ یہ حکم اسلام کی تعلیم کے صریحاً خلاف ہے اگر وہ اپنی پسند کا ہو انسان کو اچھا لگتا ہو تب بھی اس کی اطاعت لازمی ہے اور اگر وہ حکم انسان کو پسند نہ ہو اس کی مرضی کے مطابق نہ ہو تب بھی اس کی اطاعت ضروری ہے۔

یہ صاف بات ہے کہ انسان دنیا میں اکیلا نہیں رہ سکتا انسان کی زندگی کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ اس کو حاصل ہی نہیں ہو سکتیں اگر وہ تن تنہا زندگی گزار رہا ہو۔ انسان کو زندہ رہنے کے لئے کھانے پینے کی ضرورت ہے، لباس کی ضرورت ہے، مکان کی ضرورت ہے، علاج کی ضرورت ہے اور ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے وہ حاصل کرنے کے لئے انسانوں کو مل جل کر رہنا پڑتا ہے اور مل جل کر رہنے کی صورت میں انسان ایک نظام کا محتاج ہے۔ اگر کوئی نظام نہ ہو، کوئی قانون نہ ہو یا نظام اور قانون کی پابندی نہ ہو تو مل جل کر رہنے کا جو مقصد ہے اس میں ہزار خرابیاں پیدا ہوں گی۔ اس لئے ہمارے نبی ﷺ نے انسان کے مل جل کر رہنے کے مقصد کو پورا کرنے کے لئے نظام کی اطاعت اور قانون کی پابندی کو لازمی قرار دیا ہے۔

درس حدیث نمبر64

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: كَفٰى بِالْمَرْءِ كَذِبًا اَنْ يُّحَدِّثَ بِكُلِّ مَاسَمِعَ۔

(مسلم المقدمة المؤلف باب النهی عن الحدیث بکل ما سمع حدیث نمبر7)

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے: وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ (النساء:84)

کہ جب ان کے پاس کوئی امن یا خوف کی خبر آئے تو اس کو مشتہر کر دیتے ہیں وہ اگر اسے پھیلانے کے بجائے رسول کو پہنچاتے یا اپنے ہی ذمہ دار آدمیوں کو پہنچاتے تو ان میں سے جو اس سے استنباط کر سکتے ہیں اس کی اصلیت کو جان لیتے۔ یہ معاشرہ کی بیماری جس کا اس آیت میں ذکر ہے بہت کثرت سے ہمارے مشرقی ممالک میں پائی جاتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں بڑی کثرت سے لوگوں میں غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں، بدظنیاں پھیلتی ہیں، شرارتیں پھوٹتی ہیں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں اور دشمن ممالک کو موقعہ ملتا ہے کہ وہ اپنے مخالف ممالک کو کمزور کریں اور انہیں نقصان پہنچائیں۔ بلکہ بعض ممالک باقاعدہ تکنیک طور پر اپنے دشمن ممالک سے یہ سلوک کرتے ہیں، جو حدیث ہم نے آج پڑھی ہے اس میں اس بیماری کا علاج بتایا گیا ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا لوگ اس بات کو معمولی بات سمجھتے ہیں کہ ایک بات کسی سے سنی اور اس کو آگے بیان کر دیا نہ یہ دیکھتے ہیں کہ آیا بات درست ہے یا نہیں، یا درست ہو بھی سکتی ہے یا نہیں، نہ یہ دیکھتے ہیں کہ کون لوگ اس کو بیان کر رہے ہیں اور اس کے بیان سے ان کا مقصد کیا ہے، حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ انسان کے جھوٹ کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ ہر چیز جو سنتا ہے آگے بیان کر دیتا ہے۔

اس مختصر سی حدیث میں حضور ﷺ نے ایک سخت انذار کیا ہے کہ وہ شخص جو ارادةً جھوٹ نہیں بول رہا مگر بے احتیاطی سے سنی سنائی بات آگے بیان کرتا چلا جاتا ہے وہ بھی حقیقتاً جھوٹ بولنے کا مرتکب ہو رہا ہے۔

درس حدیث نمبر 65

حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ أَتَدْرُوْنَ مَاالْغِیْبَۃُ؟ قَالُوْا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ أَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ أَفَرَئَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ أَخِيْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ فَقَدْ بَهَتَّهٗ

(مسلم کتاب البر والصلۃ والادب باب تحریم الغیبۃ حدیث نمبر 6593)

قرآن شریف کی سورۃ الحجرات میں دس بارہ کے لگ بھگ ایسی باتوں کا ذکر ہے جو لوگوں اور دوستوں اور رشتہ داروں کے تعلقات میں فساد پیدا کرتے ہیں اور قوموں اور قبیلوں اور خاندانوں میں جھگڑے کا باعث بنتے ہیں ان باتوں میں جن سے منع کیا گیا ہے شاید سب سے زیادہ زور غیبت کی ممانعت پر دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا (الحجرات:13) کہ تم میں سے کوئی دوسرے کی غیبت نہ کرے اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا کیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے فوت شدہ بھائی کا گوشت کھائے۔ اب ذرا تصور کریں اس بات کا ایک شخص کا بھائی فوت ہو گیا ہے اس کے ماں باپ اپنے بیٹے کی وفات کے غم میں نڈھال پڑے ہیں، اس کی بیوی خاوند کی مستقل جدائی سے تڑپ رہی ہے، اس کے بیٹے، بیٹیاں اپنے شفقت کرنے والے باپ کی وفات کے غم میں آنسو بہا رہے ہیں مگر مرنے والے کا بھائی اٹھتا ہے اور بھائی کی لاش سے گوشت کاٹ کر کھانا شروع کر دیتا ہے۔

کیا آپ اس کا تصور بھی کر سکتے ہیں؟ مگر قرآن شریف جو سب کچھ جاننے والے کا کلام ہے یہ فرماتا ہے کہ جو شخص کسی آدمی کی غیر موجودگی میں اس کی غیبت کرتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔

بعض دفعہ لوگ غیبت کے شوق میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہم جو بات کر رہے ہیں وہ بالکل سچ ہے اور جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں اس میں یہ بات پائی جاتی ہے۔ ہمارے نبی ﷺ نے اس بارہ میں فرمایا: جانتے ہو غیبت کیا ہوتی ہے؟ صحابہؓ کرام نے حسب معمول ادب سے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم کسی شخص کی غیر موجودگی میں کسی شخص کے متعلق بات کرو جو اس میں پائی جاتی ہے تو یہ غیبت ہے اور اگر تم کوئی ایسی بات اس کے متعلق بیان کرو جو اس میں نہیں پائی جاتی تو یہ تو بہتان ہے۔

درس حدیث نمبر66

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بَیْنَمَا کَلْبٌ یُطِیْفُ بِرَکِیَّۃٍ قَدْ کَادَ یَقْتُلُہُ الْعَطَشُ اِذْ رَأَتْہُ بَغِیٌّ مِنْ بِغَایَا بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ فَنَزَعَتْ مُوْقَھَا فَاسْتَقَتْ لَہٗ بِہٖ فَسَقَتْہُ اِیَّاہُ فَغُفِرَ لَھَا بِہٖ

(مسلم کتاب الطب باب فضل ساقی البھائم المحترمۃ واطعامھا حدیث نمبر5861)

تیسری دنیا کے بعض ممالک میں جو باتیں ہمیں قابل اصلاح نظر آتی ہیں ان میں ایک بات جانوروں سے حسن سلوک کی کمی ہے۔ بعض دفعہ ہمیں یہ نظارہ نظر آتا ہے کہ ایک ریڑھے پر چارہ وغیرہ لادا ہوا ہے، گھر والوں نے ایک چھوٹا بچہ اس ریڑھے کو چلانے کے لئے بٹھایا ہوا ہے اور ریڑھے کو ایک دبلا پتلا، سوکھا ہوا گدھا چلا رہا ہے جس کو دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ گدھے کو شاید کچھ کھانے کو بھی نہیں دیا گیا اور وہ کم عمر بچہ اس گدھے کو چلنے پر مجبور کرنے کے لئے سوٹی پر سوٹی مار رہا ہے۔

ہمارے نبی ﷺ نے بار بار جانوروں سے حسن سلوک کی تاکید فرمائی ہے جو حدیث ابھی پڑھی گئی ہے وہ اس مضمون کو خوب بیان کرتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک کتا ایک کنویں کے گرد چکر لگا رہا تھا اور بعید نہیں تھا کہ پیاس اس کو ہلاک کر دے کہ بنی اسرائیل کی کنچنیوں میں سے ایک کنچنی نے اسے دیکھ لیا، اس نے اپنا موزہ اتارا اور اس کے ذریعہ اس کتے کے لئے پانی نکالا اور اس کو پلایا۔ اس کنچنی کو اس وجہ سے بخش دیا گیا۔ دیکھیں کس طرح بظاہر نظر ایک چھوٹے سے کام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بظاہر نظر ایک بہت بڑے گناہگار کو مغفرت سے نوازا۔

اسی قسم کے ایک بیان پر ہمارے نبی ﷺ کے صحابہؓ نے حضورؐ سے پوچھا: اِنَّ لَنَا فِیْ ھٰذِہِ الْبَھَائِمِ لَأَجْرًا کہ کیا ہمارے لئے جانوروں (سے نیک سلوک) میں بھی اجر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: فِیْ کُلِّ کَبِدٍ رَطْبَۃٍ اَجْرٌ کہ ہر جاندار سے نیک سلوک میں اجر ہے۔

(مسلم کتاب الطب باب فضل الساقی البھائم والمحترمۃ واطعامھا حدیث نمبر5859)

درس حدیث نمبر 67

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے امیر معاویہؓ کو خط لکھا کہ سَمِعْتُ النَّبِیَّ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ کَرِہَ لَکُمْ ثَلَاثًا قِیْلَ وَقَالَ وَاِضَاعَةَ الْمَالِ وَ کَثْرَةَ السُّؤَالِ

(بخاری کتاب الزکوٰۃ باب قول اللّٰہ تعالٰی لا یسألون الناس الحافاً...... حدیث نمبر 1477)

اس حدیث میں ہمارے نبی ﷺ نے معاشرہ میں پائی جانے والے تین کمزوریوں سے اللہ تعالیٰ کی نفرت و کراہت کا ذکر فرمایا ہے اور تینوں کمزوریوں ایسی ہیں جو انسانی معاشرہ کے لئے حد درجہ نقصان دہ اور جسمانی اور روحانی طور سخت مضرّ ہیں۔

پہلی بات جس کے متعلق ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ اس سے کراہت کرتا ہے وہ قیل و قال یعنی بے کار باتیں اور بے فائدہ گفتگو ہے ذرا سا غور کرنے والا مشاہدہ کرنے والا انسان سمجھ سکتا ہے کہ بے کار باتیں اور بے تحقیق گفتگو کس طرح معاشرہ کے امن و چین کو برباد کر سکتی ہیں، کس طرح دنیا میں فساد و بگاڑ پیدا کر سکتی ہیں۔ کس طرح افراد خاندانوں، اداروں بلکہ ملکوں کے تعلقات کو بگاڑ سکتی ہیں۔ اور کس طرح نوجوانوں کے قیمتی وقت کو جو محنت اور جانفشانی کا وقت ہو ضائع کر سکتی ہیں۔

دوسری بات جس کے بارہ میں ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ اسے ناپسند کرتا ہے اِضَاعَةُ الْمَالِ ہے۔ مذہب جہاں مال کی محبت سے منع کرتا ہے وہاں مال کے غلط استعمال اور فضول خرچی سے بھی سختی سے روکتا ہے۔ قرآن شریف میں وضاحت ہے کہ مال اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے قیام یعنی ان کے سہارے کا ذریعہ بنائے ہیں اور فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

تیسری بات جس کے متعلق ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کو ناپسند ہے کثرت سوال ہے۔ کثرت سوال کے دو معنے ہیں ایک بہت مانگنا دوسرے پوچھنا۔ بہت مانگنے کا مطلب ہے کہ محنت اور کوشش کر کے حلال کمائی کے بجائے لوگوں سے مانگ مانگ کر اپنا پیٹ پالنا اور دوسرا بہت پوچھنے سے مراد یہ ہے کہ علمی باتوں پر غور و فکر کر کے سچائی معلوم کرنے کے

بجائے سستی اور دماغی محنت نہ کرنے کی خاطر ہر بات دوسروں سے دریافت کرنا۔ تو جہاں بھیک مانگنا ایک برائی ہے وہاں دماغی کاوش اور جدّوجہد کے بجائے اور خود مطالعہ اور تدبر کو چھوڑ کر صرف دوسروں کے علم سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنا جو انسان کی اپنی صلاحیتوں کو بے کار چھوڑنے کا دوسرا نام ہے۔

درس حدیث نمبر68

حضرت ابوموسیؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اَلْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یَقْرَاءُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِہٖ کَالْأُتْرُجَّۃِ طَعْمُھَا طَیِّبٌ وَرِیْحُھَا طَیِّبٌ وَالْمُؤْمِنُ الَّذِیْ لَا یَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَیَعْمَلُ بِہٖ کَالتَّمْرَۃِ طَعْمُھَا طَیِّبٌ وَلَا رِیْحَ لَھَا

(بخاری کتاب فضائل القرآن باب اثم من رأی بقراءۃ القرآن...... حدیث نمبر5059)

اس حدیث میں ہمارے نبی ﷺ نے بڑے لطیف انداز میں اور ایک خوبصورت مثال کے ساتھ اس بات کو بیان فرمایا ہے کہ اچھے مومن کا دل بھی ایمان اور محبت سے بھرا ہوا ہوتا ہے اور اس کا عمل بھی دوسروں کو فیض پہنچانے کا ذریعہ بنتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ مومن جو قرآن پڑھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے وہ اس سنگترہ یا نارنگی کی طرح ہے جس کا مزہ بھی خوشگوار ہوتا ہے اور اس کی خوشبو بھی خوشگوار ہوتی ہے۔ اس کے بالمقابل وہ مومن جو قرآن نہیں پڑھتا مگر اس کے دل میں ایمان ہے اور وہ قرآن پر عمل بھی کرتا ہے ایک چھوہارہ کی طرح ہے جس کا مزہ تو خوشگوار ہوتا ہے مگر اس میں خوشبو نہیں ہوتی۔

اس لطیف تمثیل میں ہمارے نبی ﷺ نے یہ توجہ دلائی ہے کہ بے شک وہ شخص بھی سچا مومن ہے جو دل میں ایمان رکھتا ہے اور قرآن پر عمل کرتا ہے مگر اس سے بہتر وہ مومن ہے جو دل میں ایمان بھی رکھتا ہے اور قرآن پر عمل بھی کرتا ہے مگر ساتھ ہی وہ قرآن پڑھ کر اس کی خوشبو اور مہک کو دنیا میں پھیلاتا ہے اور دنیا اس کے فیض سے مستفیض ہوتی ہے۔

درس حدیث نمبر 69

حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنْظُرُ اِلٰی اَجْسَامِکُمْ وَلَا اِلٰی صُوَرِکُمْ وَلٰکِنْ یَنْظُرُ اِلٰی قُلُوْبِکُمْ

(مسلم کتاب البر والصلۃ والادب باب تحریم ظلم المسلم...... حدیث نمبر 6542)

یہ مختصر سی حدیث جو آج میں نے پڑھی ہے اگر انسان اس پر غور اور توجہ کرکے عمل کرے تو شاید انسان کی اور انسان کے معاشرہ کی بیسیوں بلکہ سینکڑوں مشکلات اور پریشانیوں اور الجھنوں سے نجات دے سکتی ہے۔ آپ اگر اپنے گھر یا اپنے ماحول کا مشاہدہ کریں تو آپ کو نظر آئے گا کہ انسان اپنی شکل و صورت کو بہتر بنانے کے لئے کیا کیا جتن کرتا ہے اور خصوصاً خواتین اور کم عمر کے مردوں کے لئے تو یہ بہت ہی سخت مسئلہ بن جاتا ہے۔ پکے رنگ والے اپنے رنگ کو سفید بنانے کے لئے تڑپتے ہیں۔ سر کے بالوں کی گنج دور کرنے کے لئے لوگ کیا کیا نسخے استعمال کرتے ہیں چھوٹے قد والے اپنا قد لمبا کرنے کی کوششیں کرتے ہیں۔ بھینگی آنکھوں والے اپنی آنکھوں کو سیدھا کروانے کے لئے ڈاکٹروں سے کھینچا تانی کرواتے ہیں۔ کچھ لوگ صرف خوبصورت بننے کے لئے پلاسٹک سرجری کی خاطر غیر ممالک کا سفر کرتے ہیں اور ہزاروں ڈالر خرچ کرتے ہیں جبکہ ان کے ہمسائے میں خاندان روکھی سوکھی روٹی کو ترس رہے ہوتے ہیں۔ بدن اور شکل کی خاطر کروڑوں کروڑ روپیہ کے شیمپو، کریم، Colour اور خدا جانے کیا الابلا کا بزنس ہوتا ہے اور بدن کی خاطر فیشن ایبل ملبوسات کا کاروبار بھی اربوں روپیہ میں جاتا ہے، پھر اس کے ساتھ ذہنی الجھنیں اور تمنائیں اور آرزوئیں ہیں۔

مگر ہمارے نبی ﷺ اس حکمت اور دانائی سے بھری ہوئی حدیث میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نظر نہ تمہارے جسموں پر ہے نہ تمہاری شکلوں پر ہے اس کی نظر تمہارے دل و دماغ پر ہے۔ نہ تمہاری شکل خدا کے حضور وقعت رکھتی ہے، نہ تمہارا بدن خدا کو اچھا لگتا ہے بلکہ تمہارے دماغ کی سوچ اور تمہارے دل کی پاکیزگی اس کی نظر میں مقبول ہے۔ بے شک ہمارے نبی ﷺ نے جسم کی زیب و زینت اور لباس کی صفائی کا حکم بھی دیا ہے مگر یہ چیزیں صرف ایک چھلکا ہیں اور دل و دماغ کی پاکیزگی مغز کی حیثیت رکھتی ہے۔

درس حدیث نمبر70

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِأَخِیْهِ مَایُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

(بخاری کتاب الایمان باب من الایمان ان یحب لاخیه ما یحب لنفسه حدیث نمبر 13)

کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی کچھ نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ اس صرف دس(10) الفاظ پر مشتمل حدیث میں ہمارے نبی ﷺ نے نہ صرف اپنے رشتہ میں بھائی سے یا مذہب اور وطن کے لحاظ سے بھائی سے بلکہ اپنے ہر انسان بھائی سے محبت اور حسن سلوک کی ایک ایسی تعلیم دی ہے جو انسانیت کے تمام اختلافات اور جھگڑوں کو مٹا سکتی ہے۔ بعض دفعہ یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ سگے بھائی بھی آپس میں الجھ پڑتے ہیں اور اپنے وطنی یا مذہبی بھائیوں سے نقار دنیا میں عام ہے پھر دوسرے رنگ یا نسل یا مذہب یا ملک سے تعلق رکھنے والوں سے بیر رکھنا تو ایک طرح کا فیشن بن چکا ہے اگر انسان ہمارے نبی ﷺ کی اس نصیحت کی طرف توجہ کرے اور اپنے ہر انسان بھائی کے لئے وہی بات پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے تو یہ دنیا امن و امان کی جنت بن سکتی ہے۔

بے شک لوگوں میں مذہب کی بنیاد پر اختلاف رائے ہو سکتا ہے مگر اختلاف رائے اور چیز ہے اور مختلف رائے رکھنے والوں سے بغض اور نفرت بالکل الگ چیز ہے۔ ہماری کتاب قرآن شریف نے اسلام سے سخت بغض رکھنے والے یہود و نصاریٰ کو بھی مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَآءٍۢ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اے نبیؐ اہل کتاب کو کہو کہ اس بات کی طرف آجاؤ جو ہم میں اور تمہارے درمیان مشترک (یعنی تم بھی کہتے ہو کہ خدا ایک ہے اس کی عبادت کرنی چاہئے ہم بھی کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے اس کی عبادت کرنی چاہئے) اور فرماتا ہے فَاِنْ تَوَلَّوْا اگر وہ پھر جائیں فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا تو تم کہو پھر گواہ رہو بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ کہ ہم نے صلح کی پیش کش کر دی ہے۔

درس حدیث نمبر 71

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! أَیُّ الْعَمَلِ أَفْضَلُ؟ قَالَ اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی مِیْقَاتِہَا قُلْتُ ثُمَّ أَیُّ قَالَ ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ أَیُّ قَالَ اَلْجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

(بخاری کتاب الجہاد والسیر باب فضل الجہاد والسیر حدیث نمبر 2782)

ہمارے نبی ﷺ نے بہت حکیمانہ رنگ میں اس حدیث میں اعمال کی فضیلت کا ذکر فرمایا ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا۔ یارسول اللہ! سب سے زیادہ فضیلت رکھنے والا کونسا عمل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلصَّلٰوۃُ عَلٰی مِیْقَاتِہَا کہ نماز وقت مقررہ پر ادا کرنا سب سے افضل عمل ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پھر عرض کیا اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بِرُّ الْوَالِدَیْنِ ماں باپ سے نیک سلوک۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے پھر عرض کیا اس کے بعد؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اَلْجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اللہ کے راستہ میں جدوجہد۔

اس مختصر سے سوال جواب سے ہی اسلام کی فضیلت اور رسول اکرم ﷺ کے حکیمانہ ارشادات کی عظمت کا احساس ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے سب سے پہلے حقوق اللہ میں سے چوٹی کے حق کا ذکر فرمایا جو وقت پر نماز کی ادائیگی ہے اس کے بعد حضور ﷺ نے حقوق العباد میں سے سب سے زیادہ اہم حق کا ذکر فرمایا جو والدین کی اطاعت اور ان سے نیک سلوک ہے اور تیسرے نمبر پر اللہ کے راستہ میں جہاد کا ذکر فرمایا جس سے مراد دین کی خدمت اور اس کے لئے جدوجہد ہے۔

یہ اللہ کا فضل ہے کہ جماعت احمدیہ کے افراد حضرت خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی نگرانی میں ان تینوں نیکیوں کی طرف خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ اللہ کے فضل سے نماز بہ جملہ شرائط کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ماں باپ کی خدمت میں لگے رہتے ہیں اور دین کی خدمت کے لئے مالی قربانی اور تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ

درس حدیث نمبر 72

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ خیبر کے موقعہ پر فرمایا: مَنْ أَكَلَ مِنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ يَعْنِيْ اَلثُّوْمَ فَلَا يَأْتِيَنَّ الْمَسَاجِدَ۔

(مسلم کتاب المساجد باب نھی من أکل ثوماً أو بصلاً أو کراثاً أو نحوھا...... حدیث نمبر 1248)

کہ جو شخص اس پودہ (یعنی لہسن) سے کچھ کھا کر آئے وہ مساجد میں نہ آئے۔ ہمارے نبی ﷺ کا یہ ارشاد قرآن شریف کے اس ارشاد کی تعمیل ہے کہ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (اعراف:32) کہ ہر مسجد میں اور ہر مسجد میں آتے ہوئے اپنی زینت کا سامان کرو، مراد یہ ہے کہ روحانی زینت یعنی تقویٰ بھی اختیار کرو اور ظاہری زینت اور صفائی کا بھی خیال رکھو۔

حضرت عطاء بن یسارؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تھے تو ایک شخص داخل ہوا جس کے سر اور داڑھی کے بال پراگندہ تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے اسے اشارہ فرمایا کہ باہر جاؤ۔ گویا آپؐ کی مراد تھی سر اور داڑھی کے بالوں کی اصلاح کرے۔ اس شخص نے ایسا ہی کیا اور پھر واپس آیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَلَيْسَ هٰذَا خَيْرًا مِّنْ أَنْ يَأْتِيَ اَحَدُكُمْ ثَائِرَ الرَّأْسِ كَأَنَّهٗ شَيْطَانٌ کہ کیا یہ اس سے بہتر نہیں کہ تم میں سے کوئی آئے اور اس کے سر کے بال پراگندہ ہوں گویا وہ شیطان ہے۔

(مؤطا امام مالک کتاب الشّعر باب اصلاح الشعر حدیث نمبر 1770)

حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک بدّو مسجد میں داخل ہوا اور نبی ﷺ تشریف فرما تھے اور کچھ دیر نہ گزری تھی کہ اس بدّو نے مسجد میں پیشاب کر دیا لوگ اس کی طرف جھپٹے۔ آپؐ نے فرمایا: ''اس پر پانی کا ڈول بہادو۔''

(ترمذی کتاب الطہارۃ باب ماجاء فی البول یصیب الارض حدیث نمبر 147)

حضرت ابوہریرۃؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک سیاہ فام مرد یا عورت مسجد کی صفائی کیا کرتی تھی اس کی وفات ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ کو اس کی وفات کا علم نہ ہوا۔ آپؐ نے ایک دن اس کا ذکر فرمایا اور اس کے بارہ میں پوچھا تو اس کی وفات کا بتایا گیا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے تم لوگوں

نے اطلاع کیوں نہ دی؟ لوگوں نے عرض کیا یہ بات تھی، یہ بات تھی۔ راوی کہتے ہیں کہ لوگوں نے اس کی شان کو معمولی سمجھا۔ آپؐ نے فرمایا مجھے اس کی قبر کا پتہ دو۔ آپؐ اس کی قبر پر تشریف لے گئے اور اس پر نماز جنازہ ادا کی۔

(بخاری کتاب الجنائز باب الصلاۃ علی القبر بعد ما یدفن حدیث نمبر 1337)

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی جمعہ کے لئے آئے تو چاہیے کہ نہا کر آئے۔

(بخاری کتاب الجمعہ باب هل علی من لم یشهد الجمعة غسلٌ...... حدیث نمبر 894)

درس حدیث نمبر 73

ہمارے نبی ﷺ پر ایمان لانے اور آپ ﷺ سے علم دین سیکھنے اور آپ ﷺ کی جدوجہد میں قربانی کرنے میں جہاں مردوں نے عظیم الشان نمونہ دکھایا وہاں صحابیاتؓ نے بھی عظیم الشان نمونہ پیش کیا۔ حضور ﷺ کو جب اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت پر فائز فرمایا تو سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لانے والی ایک خاتون تھیں جو نہ صرف ایمان لائیں بلکہ آپؐ کی اس عظیم الشان مہم میں پہلے دن سے ہی آپؐ کی مددگار بنیں اور نہایت زریں الفاظ میں آپؐ کے اخلاق حسنہ کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔

آپ ﷺ کے دین کی جدوجہد میں جان دینے والی بھی سب سے پہلے ایک خاتون حضرت امّ سمیہؓ تھیں جنہوں نے غیر معمولی قربانی کا مظاہرہ فرمایا۔

آپ ﷺ کی حفاظت کے لئے احد جیسے نازک موقعہ پر حضرت امّ عمّارہؓ آپ ﷺ کے دائیں بھی لڑیں اور بائیں بھی لڑیں اور دشمن کو آپؐ تک نہ پہنچنے دیا۔

حدیبیہ کی صلح کے موقعہ پر جب حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابیؓ بھی صلح کرنے پر مطمئن نہیں تھے حضرت امّ سلمہؓ کا مشورہ تھا جس نے صحابہؓ کی کیفیت کو بدل دیا۔

آپ ﷺ کے دین کے علم کی گہرائی اور وسعت جو حضرت عائشہؓ کو حاصل تھی اس کا نتیجہ تھا کہ صحابہؓ آپؓ کے سامنے زانوئے تلمّذ طے کرتے تھے۔

قرآن مجید مومن خواتین کی تعریف میں ان کی ایک صفت السائحات فرماتا ہے یعنی دین کی خاطر سفر کی مشقت برداشت کرنے والی ہیں۔ اس بارہ میں ایک نمونہ حضرت امّ حرامؓ بنت ملحان کا ہے۔ حضور ﷺ ایک دفعہ نیند سے بیدار ہوئے اور آپؐ خوشی سے ہنس رہے تھے۔ حضرت امّ حرامؓ بنت ملحان نے پوچھا۔ حضور کیا بات ہے؟ آپؐ نے فرمایا میں نے یہ نظارہ دیکھا ہے کہ میرے صحابہؓ جہاد کے لئے سمندر کا سفر کر رہے ہیں مگر اس طرح بیٹھے ہیں جیسے بادشاہ تختوں پر ہوتے ہیں۔ حضرت امّ حرامؓ بنت ملحان نے عرض کیا۔ حضور دعا کریں کہ اللہ مجھے ان میں سے بنا دے۔ آپؐ نے فرمایا۔ تو ان میں سے ہے۔

(بخاری کتاب الجہاد والسیر باب الدعا بالجہاد والشہادۃ للرجال والنساء حدیث نمبر 2788، 2789)

چنانچہ سائپرس کے خلاف جہاد میں حضرت امّ حرامؓ سمندری سفر میں شامل ہوئیں اور سائپرس میں ہی ان کی وفات ہوئی اور ان کا مزار ابھی تک وہاں موجود ہے۔

درس حدیث نمبر74

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے نبی ﷺ نے فرمایا: اَلْمُسْلِمُ أَخُوْ الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهٗ وَلَا يُسْلِمُهٗ وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

(بخاری کتاب المظالم باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمہ حدیث نمبر 2442)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں دو قسم کی برادری قائم کی ہے ایک وہ برادری ہے جو نسب کے ذریعہ بنتی ہے دو شخص ایک ماں باپ کے بیٹے ہیں یا ایک ماں کے بیٹے ہیں اور باپ مختلف ہیں یا ایک باپ کے بیٹے ہیں اور مائیں مختلف ہیں یہ برادری ایک باہمی تعلق رکھتی ہے جس کے پیچھے خونی رشتہ ہوتا ہے اس تعلق کے تقاضے پورے کرنا بھی انسان کا اخلاقی فرض بھی ہے اور اس کے لئے شریعت اور قانون میں بھی کچھ گنجائش ہے۔

دوسری برادری ایک خدا اور ایک نبی ﷺ اور ایک کتاب قرآن شریف اور ایک دین اسلام کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اور اس تعلق کے تقاضے پورے کرنے کے لئے قانونی دباؤ کے بجائے اخلاقی سبق پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن شریف اور ہمارے نبی ﷺ نے اس اخلاقی سبق پر غیر معمولی زور دیا ہے۔ جو تمہارا خونی رشتہ دار ہے بلکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے لئے بھائی کا مقام رکھتا ہے۔ لَا يَظْلِمُهٗ اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس کے حقوق تلف نہ کرے وَلَا يُسْلِمُهٗ اور نہ ہی اس کو بے مددگار چھوڑ دے اور پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کی حق تلفی نہ کرے مگر مثبت طور پر اس کے کام آئے، فرمایا مَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ اَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ جو اپنے بھائی کی ضرورت پوری کرتا ہے، اپنے بھائی کے کام آتا ہے تو اللہ اس کی ضرورت پوری کرتا ہے، اس کے کام آتا ہے وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً اور جو کسی مسلمان کی کسی تکلیف کو دور کرتا ہے فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ تو اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کے دن کی تکالیف میں سے تکلیف دور فرمائے

گا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے ایک نہایت اہم بات کی طرف توجہ دلائی ہے جس کی طرف ہمارے معاشرے میں بہت ہی توجہ کی ضرورت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا جو کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اس کے عیب اور غلطی کی تشہیر کے بجائے اس کو ڈھانکتا ہے سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی فرمائے گا اور اس کے عیوب اور غلطیاں لوگوں پر ظاہر نہیں ہونے دے گا۔

درس حدیث نمبر 75

حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں: اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ بَیْنَا رَجُلٌ یَّمْشِیْ فَاشْتَدَّ عَلَیْہِ الْعَطَشُ فَنَزَلَ بِئْرًا فَشَرِبَ مِنْھَا ثُمَّ خَرَجَ فَاِذَا ھُوَ بِکَلْبٍ یَلْھَثُ یَأْکُلُ الثَّرٰی مِنَ الْعَطَشِ فَقَالَ لَقَدْ بَلَغَ ھٰذَا مِثْلُ الَّذِیْ بَلَغَ بِیْ فَنَزَلَ بِئْرًا فَمَلَأَ خُفَّہٗ ثُمَّ أَمْسَکَہٗ بِفِیْہِ ثُمَّ رَقِیَ فَسَقَی الْکَلْبَ فَشَکَرَ اللّٰہُ لَہٗ فَغَفَرَ لَہٗ۔

(بخاری کتاب المساقاۃ باب فضل سقی الماء حدیث نمبر 2363)

حضرت اسماء بنت ابی بکر بیان کرتی ہیں: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ صَلّٰی صَلٰوۃَ الْکُسُوْفِ فَقَالَ دَنَتْ مِنِّیْ النَّارُ ...... فَاِذَا اِمْرَأَۃٌ ...... تَخْدِشُھَا ھِرَّۃٌ قَالَ مَا شَأْنُ ھٰذِہٖ؟ قَالُوْا حَبَسَتْھَا حَتّٰی مَاتَتْ جُوْعًا۔ (بخاری کتاب المساقاۃ باب فضل سقی الماء حدیث نمبر 2364)

آج کے درس میں دو احادیث پڑھی گئی ہیں پہلی حدیث میں ایک کتے سے نیک سلوک پر ایک شخص کی مغفرت کا ذکر ہے اور دوسری حدیث میں ایک بلّی کو دکھ دینے پر ایک عورت کے آگ میں جانے کا ذکر ہے (اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ)

حضرت ابوہریرۃؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس دوران میں ایک شخص پیدل جا رہا تھا کہ اس کو شدید پیاس لگی۔ وہ ایک کنویں میں اترا اور اس نے پانی پیا۔ پھر باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک کتا ہانپ رہا ہے اور پیاس کی شدت کی وجہ سے گیلی مٹی کھا رہا ہے۔ اس نے سوچا اس کتے کو بھی وہی تکلیف ہے جو مجھے ہوئی تھی تو وہ کنویں میں اترا اور اپنا موزہ پانی سے بھرا اور اس کو اپنے منہ میں پکڑا اور چڑھ کر باہر آیا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی قدردانی فرمائی اور اس شخص کو بخش دیا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سورج گرہن کی نماز پڑھائی۔ آپؐ نے فرمایا کہ دوزخ میرے قریب آئی تو ایک عورت کو ایک بلی پنجے مار کر زخمی کر رہی تھی۔ آپؐ نے پوچھا یہ کیا بات ہے؟ بتایا گیا کہ اس عورت نے اس بلی کو قید کر رکھا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مر گئی۔

یہ دونوں احادیث ہمارے انڈو پاکستان کے معاشرے میں بہت قابل توجہ ہیں جہاں یہ نظارہ نظر آتا ہے کہ کوئی شخص ریڑھے کو کھینچنے والے گدھے کو اپنی سوٹی سے مارتا چلا جا رہا ہے۔

درس حدیث نمبر76

ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں: فَإِذَا تَثَاءَبَ أَحَدُكُمْ فَلْيَرُدَّهُ مَا اسْتَطَاعَ

(بخاری کتاب بدء الخلق باب صفة ابلیس و جنوده حدیث نمبر 3289)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی عظیم الشان کتاب "اسلامی اصول کی فلاسفی" میں اس مضمون کو کھول کر بیان فرمایا ہے کہ اسلام نے اصلاح نفس کے تین مراتب مقرر کئے ہیں۔

پہلا مرتبہ آداب کا ہے جس میں انسان کو بیٹھنے اٹھنے، کھانے پینے، بات چیت کرنے وغیرہ روزمرہ کی باتوں کے آداب سکھائے گئے ہیں جب انسان اس مرحلہ پر کامیابی سے گزر جائے تو دوسرا مرحلہ اخلاق کا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اخلاق کے نظام کو ایسے طور پر پیش کیا ہے کہ جس سے انسان ادنیٰ خلق سے اعلیٰ خلق کی طرف ترقی کر سکے۔ پھر تیسرا مرحلہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضاء حاصل کرنے کا مرحلہ ہے۔

جو حدیث آج پڑھی گئی ہے اس کا تعلق پہلے مرحلہ سے ہے۔ اباسی یا جماہی لیتے ہوئے انسان کی حالت کچھ غیر مناسب سی ہو جاتی ہے۔ آدمی پورے زور سے منہ کھولتا ہے اور بظاہر نظر یہ فعل تمیز کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ پھر اس میں یہ بھی خطرہ ہوتا ہے کہ کوئی مکھی وغیرہ منہ کے اندر چلی جائے۔

دیکھنے والے کو اس سے گھن آتی ہے پھر بالعموم جماہی یا اباسی سستی اور کسل کی علامت ہے۔ اس لئے ہمارے نبی ﷺ نے اس فعل کے متعلق فرمایا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اگر اسے جماہی آئے تو اس کو روکنے کی کوشش کرے جس حد تک وہ کر سکتا ہے۔

یہ مختصر سی حدیث ہمیں اس بات کی بھی یاددہانی کراتی ہے کہ اسلام کی تعلیم صرف ایک چھوٹے سے دائرہ تک محدود نہیں انسانی زندگی کے تمام مراحل پر رہنمائی کرتی ہے۔

درس حدیث نمبر 77

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا: لَیْسَ صَلٰوۃٌ أَثْقَلَ عَلٰی الْمُنَافِقِیْنَ مِنَ الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ وَلَوْ یَعْلَمُوْنَ مَافِیْهَا لَأَتَوْهُمَا وَلَوْحَبْوًا

(بخاری کتاب الاذان باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ حدیث نمبر 657)

نماز اسلامی احکام میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے سب سے پہلی چیز تو ایمان ہے جو شخص ایمان لے آتا ہے اس کے ایمان کے بعد اللہ کے حقوق میں سے پہلی چیز نماز مقررہ وقت پر ہے اور نماز کی ادائیگی پر قرآن شریف میں بار بار زور دیا گیا ہے اور ہمارے نبی ﷺ جیسے رحمدل، شفیق مہربان وجود بھی فرماتے ہیں کہ میرا دل کرتا ہے کہ جو لوگ نماز باجماعت میں نہیں آتے ان کے گھروں کو آگ لگا دوں۔

آج جو حدیث ہم نے پڑھی ہے اس میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ منافقوں پر فجر اور عشاء کی نماز سے زیادہ بوجھل نماز کوئی نہیں۔ منافق وہ ہوتا ہے جو دل میں تو ایمان نہ رکھتا ہو مگر کسی فائدہ یا ضرورت کے لئے ایمان کا اظہار کرتا ہو۔ ایسے منافقین دوسری نمازوں میں تو خدا کے گھر میں آجاتے تھے مگر صبح اور عشاء کی نماز میں جو تھوڑی سی ہمت کا تقاضا کرتی ہیں، تھوڑی بہت تکلیف اٹھانی پڑتی ہے اس میں سستی اور تساہل کرتے تھے۔ باقی نمازوں میں دکھاوے کے لئے آجاتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا فجر اور عشاء کی نمازیں منافقوں پر بھاری ہیں حالانکہ اگر ان کو معلوم ہو کہ ان دو نمازوں کا کتنا ثواب ہے، کتنا فائدہ اور کتنی برکات ہیں تو وہ گھٹنوں کے بل چل کر بھی آنا پڑتا تو آتے۔

درس حدیث نمبر78

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ قَضَى النَّبِيُّ ﷺ اِذَا تَشَاجَرُوْا فِي الطَّرِيْقِ بِسَبْعَةُ أَذْرُعٍ

(بخاری کتاب المظالم والقصاص باب اذا اختلفوا فی الطریق ...... حدیث نمبر2473)

ہمارے نبی ﷺ نے جہاں اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی عبادت اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے بارہ میں ہمیں جامع اور تفصیلی تعلیم دی ہے وہاں انسانوں کے حقوق اور ان کی بھلائی کے بارہ میں بہت اعلیٰ ہدایات دی ہیں۔ انسانوں کے حقوق میں ایک حق راستہ کا حق ہے۔ آپ ﷺ نے راستہ کے بارہ میں نہ صرف توجہ دلائی ہے بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ گویا اس کو انسانوں کے بنیادی حقوق میں سے قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص راستہ کو ناپاک کرتا ہے وہ گویا لعنت کا خرید ارہے۔

آپ ﷺ نے ایک دفعہ مدینہ کے باشندوں کو توجہ دلائی کہ بہتر ہے کہ وہ سڑکوں کے کنارے نہ بیٹھا کریں۔ لوگوں نے عرض کیا ہمارے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں۔ سڑکوں کے کنارے بیٹھ کر ہی ہم اپنے معاملات کے متعلق گفتگو کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم نہیں مانتے تو کم از کم راستہ کا حق دو۔ عرض کیا گیا راستہ کے حق سے کیا مراد ہے؟ فرمایا:

نظر نیچی رکھو، سلام کا جواب دو، کسی کے لئے باعث تکلیف نہ بنو، اچھی بات کا حکم دو اور بری بات سے منع کرو۔

(بخاری کتاب المظالم باب افنیة الدور والجلوس فیھا...... حدیث نمبر2465)

ایک موقعہ پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص نے ایک کانٹے دار ٹہنی چلتے ہوئے دیکھی تو اس نے اس کو ہٹا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو بخش دیا۔

(بخاری کتاب الاذان باب فضل التھجیر الی الظھر حدیث نمبر652)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ نیکی کی بہت سی شاخیں ہیں اور اِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ یعنی راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کرنا بھی نیکی ہے۔

(بخاری کتاب الھبة وفضلھا باب فضل المنیحة حدیث نمبر2631)

ہمارے ملک میں عام دستور ہے کہ لوگ راستہ پر تجاوزات کر لیتے ہیں اور اپنی فروخت کا سامان راستہ پر رکھ دیتے ہیں جس سے راستہ تنگ ہو جاتا ہے اور گزرنے والوں کو دقت ہوتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے جب رستہ چھوڑنے کے بارہ میں اختلاف رائے ہوا تو آپؐ نے فیصلہ فرمایا کہ راستہ (کم از کم) سات (7) گز ہونا چاہیئے۔

(بخاری کتاب المظالم باب اذا اختلفوا فی الطریق ...... حدیث نمبر 2473)

درس روحانی خزائن نمبر40

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"(1) خدا نے مجھے قرآنی معارف بخشے ہیں (2) خدا نے مجھے قرآن کی زبان میں **اعجاز** عطا فرمایا ہے (3) خدا نے میری دُعاؤں میں سب سے بڑھ کر قبولیت رکھی ہے (4) خدا نے مجھے آسمان سے نشان دیئے ہیں۔(5) خدا نے مجھے زمین سے نشان دیئے ہیں(6) خدا نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ تجھ سے ہر ایک مقابلہ کرنے والا مغلوب ہو گا (7) خدا نے مجھے بشارت دی ہے کہ تیرے **پیرو** ہمیشہ اپنے دلائل صدق میں غالب رہیں گے اور دنیا میں اکثر وہ اور اُن کی نسل بڑی بڑی عزّتیں پائیں گے تا اُن پر ثابت ہو کہ جو خدا کی طرف آتا ہے وہ کچھ نقصان نہیں اٹھاتا(8) خدا نے مجھے وعدہ دے رکھا ہے کہ قیامت تک اور جب تک کہ دنیا کا سلسلہ منقطع ہو جائے میں تیری برکات ظاہر کرتا رہوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے (9) خدا نے آج سے بیس برس پہلے مجھے بشارت دی ہے کہ تیرا انکار کیا جائے گا اور لوگ تجھے قبول نہیں کریں گے پر میں تجھے قبول کروں گا اور بڑے زور آور حملوں سے تیری سچائی ظاہر کر دوں گا۔

(10) اور خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کے لئے تجھ سے ہی اور تیری ہی نسل میں سے ایک شخص کھڑا کیا جائے گا جس میں مَیں رُوح القدس کی برکات پھونکوں گا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت پاک تعلق رکھنے والا ہو گا اور مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَا ہو گا گویا خدا آسمان سے نازل ہوا۔ وَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ دیکھو وہ زمانہ چلا آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا اِس سلسلہ کی دُنیا میں بڑی قبولیت پھیلائے گا اور یہ سِلسلہ مشرق اور مغرب اور شمال اور جنوب میں پھیلے گا اور دنیا میں اسلام سے مراد یہی سلسلہ ہو گا۔ یہ باتیں انسان کی باتیں نہیں یہ اُس خدا کی وحی ہے جس کے آگے کوئی بات اَنہونی نہیں۔"

(تحفہ گولڑویہ روحانی خزائن جلد17 صفحہ 181،182)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

اعجاز	معجزہ	پیرو	پیروی کرنے والے

درس روحانی خزائن نمبر 41

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**اپنی جماعت کیلئے ایک بہت ضروری نصیحت:** آج کل زمانہ بہت خراب ہو رہا ہے۔ قسم قسم کا شرک بدعت اور کئی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ بیعت کے وقت جو اقرار کیا جاتا ہے کہ دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔ یہ اقرار خدا کے سامنے اقرار ہے اب چاہیئے کہ اس پر موت تک خوب قائم رہے ورنہ سمجھو کہ بیعت نہیں کی اور اگر قائم ہو گے تو اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں برکت دے گا۔ اپنے اللہ کے مطابق پورا تقویٰ اختیار کرو۔ زمانہ نازک ہے۔ قہر الٰہی نمودار ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق اپنے آپ کو بنا لے گا۔ وہ اپنی جان اور اپنی آل و اولاد پر رحم کرے گا۔ دیکھو انسان روٹی کھاتا ہے جب تک سیری کے موافق پوری مقدار نہ کھالے تو اس کی بھوک نہیں جاتی۔ اگر وہ ایک بھورہ روٹی کا کھالیوے تو کیا وہ بھوک سے نجات پائے گا؟ ہرگز نہیں اور اگر وہ ایک قطرہ پانی کا اپنے حلق میں ڈالے تو وہ قطرہ اُسے ہرگز نہ بچا سکے گا بلکہ باوجود اس قطرہ کے وہ مرے گا۔ حفظِ جان کے واسطے وہ قدرِ محتاط جس سے زندہ رہ سکتا ہے جب تک نہ کھالے اور نہ پیوے نہیں بچ سکتا۔

یہی حال انسان کی دینداری کا ہے جب تک اس کی دینداری اس حد تک نہ ہو کہ سیری ہو بچ نہیں سکتا۔ دینداری، تقویٰ، خدا کے احکام کی اطاعت کو اس حد تک کرنا چاہیئے جیسے روٹی اور پانی کو اس حد تک کھاتے اور پیتے ہیں جس سے بُھوک اور پیاس چلی جاتی ہے۔

خوب یاد رکھنا چاہیئے کہ خدا تعالیٰ کی بعض باتوں کو نہ ماننا اس کی سب باتوں کو ہی چھوڑنا ہوتا ہے اگر ایک حصّہ شیطان کا ہے اور ایک اللہ کا تو اللہ تعالیٰ حصّہ داری کو پسند نہیں کرتا۔ یہ سلسلہ اس کا اسی لیے ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف آوے۔ اگرچہ خدا کی طرف آنا بہت مشکل ہوتا ہے اور ایک قسم کی موت ہے مگر آخر زندگی بھی اسی میں ہے۔

جو اپنے اندر سے شیطانی حصّہ نکال کر پھینک دیتا ہے وہ مبارک انسان ہوتا ہے اور اس کے گھر اور نفس اور شہر سب جگہ اس کی برکت پہنچتی ہے۔ لیکن اگر اس کے حصّہ میں ہی تھوڑا

آیا ہے تو وہ برکت نہ ہو گی جب تک بیعت کا اقرار عملی طور پر نہ ہو۔ بیعت کچھ چیز نہیں ہے جس طرح سے ایک انسان کے آگے تم بہت سی باتیں زبان سے کرو مگر عملی طور پر کچھ بھی نہ کرو تو وہ خوش نہ ہو گا۔ اسی طرح خدا کا معاملہ ہے وہ سب غیرت مندوں سے زیادہ غیرت مند ہے کیا ہو سکتا ہے کہ ایک تو تم اس کی اطاعت کرو پھر ادھر اس کے دشمنوں کی بھی اطاعت کرو اس کا نام تو **نفاق** ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اس مرحلہ میں زید و بکر کی پروانہ کرے مرتے دم تک اس پر قائم رہو۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 67، 68 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

بدعت	دین میں نئی بات، رسم نکالنا	نفاق	منافقت، دورنگی

درس روحانی خزائن نمبر 42

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**جماعت کو نصائح:** بیعت کے بعد ایک شخص نے اپنے گاؤں میں کثرت طاعون کا ذکر کیا اور دعا کی درخواست کی۔ فرمایا: میں تو ہمیشہ دعا کرتا ہوں مگر تم لوگوں کو بھی چاہئیے کہ ہمیشہ دعا میں لگے رہو نمازیں پڑھو اور توبہ کرتے رہو۔ جب یہ حالت ہو گی تو اللہ تعالیٰ حفاظت کرے گا اور اگر سارے گھر میں ایک شخص بھی ایسا ہو گا تو اللہ تعالیٰ اس کے باعث سے دوسروں کی بھی حفاظت کرے گا۔ کوئی بلا اور دکھ اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے سوا نہیں آتا اور وہ اس وقت آتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور مخالفت کی جاوے۔ ایسے وقت پر عام ایمان کام نہیں آتا بلکہ خاص ایمان کام آتا ہے۔ جو لوگ عام ایمان رکھتے ہیں اللہ تعالی ان کی طرف رجوع کرتا ہے اور آپ ان کی حفاظت فرماتا ہے مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ بہت سے لوگ ہیں جو زبان سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کرتے ہیں اور اپنے اسلام اور ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں۔ مگر وہ اللہ تعالیٰ کے لیے دکھ نہیں اٹھاتے۔ کوئی دکھ یا تکلیف یا مقدمہ آجاوے تو فوراً خدا کو چھوڑنے کو تیار ہو جاتے ہیں اور اس کی نافرمانی کر بیٹھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی کوئی پروا نہیں کرتا مگر جو خاص ایمان رکھتا ہو اور ہر حال میں خدا کے ساتھ ہو اور دکھ اٹھانے کو تیار ہو جاوے تو خدا تعالیٰ اس سے دکھ اٹھالیتا ہے اور دو مصیبتیں اس پر جمع نہیں کرتا دکھ کا اصل علاج دکھ ہی ہے اور مومن پر دو بلائیں جمع نہیں کی جاتیں۔ ایک وہ دکھ ہے جو انسان خدا کے لیے اپنے نفس پر قبول کرتا ہے اور ایک وہ بلائے ناگہانی۔ اس بلا سے خدا بچالیتا ہے۔ پس یہ دن ایسے ہیں کہ بہت توبہ کرو۔ اگرچہ ہر شخص کو وحی یا الہام نہ ہو مگر دل گواہی دے دیتا ہے کہ خد تعالیٰ اُسے ہلاک نہ کرے گا۔ دُنیا میں دو دوستوں کے تعلقات ہوتے ہیں۔ ایک دوست دوسرے دوست کا مرتبہ شناخت کرلیتا ہے کیونکہ جیسا وہ اس کے ساتھ ہے ایسا ہی وہ بھی اس کے ساتھ ہو گا۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ محبت کے عوض محبت اور **دغا** کے عوض دغا۔ خدا تعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں اگر کوئی حصّہ **کھوٹ** کا ہو گا تو اسی قدر ادھر

سے بھی ہو گا۔ مگر جو اپنا دل خدا سے صاف رکھے اور دیکھے کہ کوئی فرق خدا سے نہیں ہے تو خدا تعالیٰ بھی اس سے کوئی فرق نہ رکھے گا۔ انسان کا اپنا دل اس کے لیے آئینہ ہے وہ اس میں سب کچھ دیکھ سکتا ہے۔ پس سچّا طریق دُکھ سے بچنے کا یہی ہے کہ سچّے دل سے اپنے گُناہوں کی معافی چاہو اور وفاداری اور اخلاص کا تعلق دکھاؤ اور اس راہِ بیعت کو جو تم نے قبول کی ہے سب پر مقدم کرو کیونکہ اس کی بابت تم پوچھے جاؤ گے۔ جب اسقدر اخلاص تم کو میسر آجاوے تو ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ تم کو ضائع کرے۔ ایسا شخص سارے گھر کو بچالے گا۔ اصل یہی ہے اس کو مت بھولو۔ نری زبان میں برکت نہیں ہوتی کہ بہت سی باتیں کرلیں۔ اصل برکت دل میں ہوتی ہے اور وہی برکت کی جڑ ہے۔ زبان سے تو کروڑہا مسلمان کہلاتے ہیں جن لوگوں کے دل خدا کے ساتھ مستحکم ہیں اور وہ اس کی طرف سے آتے ہیں خدا بھی ان کی طرف وفا سے آتا ہے اور مصیبت اور بلا کے وقت ان کو الگ کرلیتا ہے۔ یادرکھو یہ طاعون خود بخود نہیں آئی اب جو کھوٹ اور بے وفائی کا حصّہ رکھتا ہے وہ بلا اور وبا سے بھی حصّہ لے گا مگر جو ایسا حصہ نہیں رکھتا خدا اُسے محفوظ رکھے گا۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 63، 64 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

دغا	فریب، دھوکہ	کھوٹ	نقص، عیب

درس روحانی خزائن نمبر 43

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"مَیں دیکھتا ہوں کہ لوگ نمازوں میں غافل اور سُست اسی لیے ہوتے ہیں کہ اُن کو اس لذّت اور سُرور سے اطلاع نہیں جو اللہ تعالیٰ نے نماز کے اندر رکھا ہے اور بڑی بھاری وجہ **کسل** کی یہی ہے۔ پھر شہروں اور گاؤں میں تو اور بھی سُستی اور غفلت ہوتی ہے۔ سو پچاسواں حصّہ بھی تو پوری مستعدی اور سچی محبت سے اپنے مولا حقیقی کے حضور سر نہیں جھکاتے، پھر سوال یہی ہوتا ہے کیوں اُن کو اس لذّت کی اطلاع نہیں اور نہ کبھی اس مزے کو انہوں نے چکھا۔ اَور مذاہب میں ایسے احکام نہیں ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہم اپنے کاموں میں مبتلا ہوتے ہیں اور مؤذن اذان دے دیتا ہے۔ پھر وہ سُننا بھی نہیں چاہتے۔ گویا اُن کے دل دُکھتے ہیں۔ یہ لوگ بہت ہی قابلِ رحم ہیں۔ بعض لوگ یہاں بھی ایسے ہیں کہ ان کی دوکانیں دیکھو تو مسجد کے نیچے ہیں مگر کبھی جا کر کھڑے بھی تو نہیں ہوتے۔

پس میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ خدائے تعالیٰ سے نہایت سوز اور ایک جوش کے ساتھ یہ دُعا مانگنی چاہیئے کہ جس طرح اَور پھلوں اور اشیاء کی طرح طرح کی لذّتیں عطا کی ہیں نماز اور عبادت کا بھی ایک بار مزا چکھا دے، کھایا ہوا یاد رہتا ہے۔ دیکھو اگر کوئی شخص کسی خوبصورت کو ایک سُرور کے ساتھ دیکھتا ہے تو وہ اُسے خوب یاد رہتا ہے اور پھر اگر کسی بد شکل اور **مکروہ ہیئت** کو دیکھتا ہے تو اس کی ساری حالت اس کے بالمقابل مجسم ہو کر سامنے آجاتی ہے۔

ہاں اگر کوئی تعلق نہ ہو تو کچھ یاد نہیں رہتا۔ اسی طرح بے نمازوں کے نزدیک نماز ایک **تاوان** ہے کہ ناحق صبح اُٹھ کر سردی میں وضو کر کے خوابِ راحت چھوڑ کر اور کئی قسم کی آسائشوں کو چھوڑ کر پڑھنی پڑتی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اُسے بیزاری ہے وہ اس کو سمجھ نہیں سکتا۔ اس لذّت اور راحت سے جو نماز میں ہے اس کو اطلاع نہیں ہے۔ پھر نماز میں لذّت کیونکر حاصل ہو۔"

(ملفوظات سوم صفحہ 27، 28 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

کسل	سستی، کوتاہی	تاوان	جرمانہ
مکروہ	ناپسندیدہ، جس سے کراہت آئے	ہیئت	شکل

درس روحانی خزائن نمبر44

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

''میں دیکھتا ہوں کہ ایک شرابی اور نشہ باز انسان کو جب سُرور نہیں آتا تو وہ پَے در پَے پیتا جاتا ہے یہاں تک کہ اس کو ایک قسم کا نشہ آجاتا ہے۔ دانشمند اور زیرک انسان اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور وہ یہ کہ نماز پر دَوَام کرے اور پڑھتا جاوے یہاں تک کہ اس کو سُرور آجاوے اور جیسے شرابی کے ذہن میں ایک لذّت ہوتی ہے جس کا حاصل کرنا اس کا مقصود بالذّات ہوتا ہے اسی طرح سے ذہن میں اور ساری طاقتوں کا رجحان نماز میں اسی سُرور کو حاصل کرنا ہو اور پھر ایک خلوص اور جوش کے ساتھ کم از کم اس نشہ باز کے اضطراب اور قلق و کرب کی مانند ہی ایک دُعا پیدا ہو کر وہ لذّت حاصل ہو تو مَیں کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں اور سچ کہتا ہوں کہ یقیناً یقیناً وہ لذّت حاصل ہو جائے گی۔

پھر نماز پڑھتے وقت ان مفاد کا حاصل کرنا بھی ملحوظ ہو جو اُس سے ہوتے ہیں اور احسان پیشِ نظر رہے اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ(ہود:115) نیکیاں بدیوں کو زائل کر دیتی ہیں۔ پس ان حسنات کو اور لذّات کو دل میں رکھ کر دُعا کرے کہ وہ نماز جو صدیقوں اور محسنوں کی ہے وہ نصیب کرے۔ یہ جو فرمایا ہے کہ اِنَّ الْحَسَنَاتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ یعنی نیکیاں یا نماز بدیوں کو دُور کرتی ہیں یا دوسرے مقام پر فرمایا ہے کہ نماز فواحش اور برائیوں سے بچاتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیاں کرتے ہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں مگر نہ رُوح اور راستی کے ساتھ۔ وہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکریں مارتے ہیں۔ اُن کی رُوح مُردہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام حسنات نہیں رکھا اور یہاں جو حسنات کا لفظ رکھا اور الصلوٰۃ کا لفظ نہیں رکھا باوجودیکہ معنی وہی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تا نماز کی خوبی اور حُسن و جمال کی طرف اشارہ کرے کہ وہ نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی رُوح رکھتی ہے اور فیض کی تاثیر اس میں موجود ہے وہ نماز یقیناً یقیناً بُرائیوں کو دُور کر دیتی ہے۔ نماز نشست و برخاست کا نام نہیں۔ نماز کا مغز

اور رُوح وہ دُعا ہے جو ایک لذّت اور سُرور اپنے اندر رکھتی ہے۔ ارکانِ نماز دراصل روحانی نشست و برخاست کے اظلال ہیں۔ انسان کو خدائے تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آدابِ خدمتگاران میں سے ہے۔ رکوع جو دوسرا حصّہ ہے بتلاتا ہے کہ گویا طیاری ہے کہ وہ تعمیل حکم کے لیے کس قدر گردن جھکاتا ہے۔ اور سجدہ کمال ادب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو عبادت کا مقصود ہے ظاہر کرتا ہے۔ یہ آداب اور طرق ہیں جو خدا تعالیٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جسم کو باطنی طریق سے حصّہ دینے کی خاطر اُن کو مقرر کیا ہے۔

علاوہ ازیں باطنی طریق کے اثبات کی خاطر ایک ظاہری طریق بھی رکھ دیا ہے۔ اب اگر ظاہری طریق میں (جو اندونی اور باطنی طریق کا ایک عکس ہے) صرف نقال کی طرح نقلیں اُتاری جائیں اور اُسے ایک بار گراں سمجھ کر کر اُتار پھینکنے کی کوشش کی جاوے تو تم ہی بتلاؤ اس میں کیا لذّت اور حظ آسکتا ہے۔ اور جب تک لذّت اور سرور نہ آئے اُس کی حقیقت کیونکر متحقق ہو گی اور یہ اس وقت ہو گا جبکہ رُوح بھی ہمہ نیستی اور تذلّل تام ہو کر آستانہ الوہیّت پر گرے اور جو زبان بولتی ہے روح بھی بولے۔ اس وقت ایک سرور اور نُور اور تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 28، 29 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

زیرک	عقلمند، دانشمند	دَوام	ہمیشگی
نشست وبرخاست	بیٹھنا اور اٹھنا		

درس روحانی خزائن نمبر45

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"پھر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نماز جو اپنے اصلی معنوں میں نماز ہے دُعا سے حاصل ہوتی ہے غیر اللہ سے سوال کرنا مومنانہ غیرت کے صریح اور سخت مخالف ہے۔ کیونکر یہ مرتبہ دعا کا اللہ ہی کے لئے ہے جب تک انسان پورے طور پر **حنیف** ہو کر اللہ تعالیٰ ہی سے سوال نہ کرے اور اسی سے نہ مانگے۔ سچ سمجھو کہ حقیقی طور پر وہ سچا مومن اور سچا مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔ اسلام کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تمام طاقتیں اندرونی ہوں یا بیرونی سب کی سب اللہ تعالیٰ ہی کے آستانہ پر گری ہوئی ہوں۔ جس طرح پر ایک بڑا انجن بہت سی **کلوں** کو چلاتا ہے۔ پس اسی طور پر جب تک انسان اپنے ہر کام اور ہر حرکت و سکون تک کو اسی انجن کی طاقت عظمیٰ کے ماتحت نہ کرلیوے وہ کیونکر اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا قائل ہو سکتا ہے؟ اور اپنے آپ کو اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ(الانعام:80) کہتے وقت واقعی حنیف کہہ سکتا ہے؟ جیسے مُنہ سے کہتا ہے دل سے بھی اُدھر کی طرف متوجہ ہو تو لاریب وہ مسلم ہے۔ وہ مومن اور حنیف ہے لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے سوا غیر اللہ سے سوال کرتا ہے اور ادھر بھی جھکتا ہے وہ یاد رکھے کہ بڑا ہی بدقسمت اور محروم ہے کیونکر اس پر وہ وقت آجانے والا ہے کہ وہ زبانی اور نمائشی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف نہ جھک سکے۔

ترکِ نماز کی عادت اور کسل کی ایک وجہ یہ ہے کیونکہ جب انسان غیر اللہ کی طرف جھکتا ہے تو روح اور دل اس کی طرف جھکتا ہے اور رُوح اور دل کی طاقتیں بھی (اس درخت کی طرح جس کی شاخیں ابتداءً ایک طرف کر دی جائیں اور پرورش پالیں) ادھر ہی جھک جاتی ہیں اور خدائے تعالیٰ کی طرف سے ایک سختی اور تشدد اس کے دل میں پیدا ہو کر اُسے منجمد اور پتھر بنا دیتا ہے۔ جیسے وہ شاخیں پھر دوسری طرف مڑ نہیں سکتیں۔ اسی طرح پر وہ دل اور رُوح دن بدن خدائے تعالیٰ سے دُور ہوتے جاتے ہیں۔ پس یہ بڑی خطرناک اور دل کو کپکپا دینے والی بات ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے سے سوال کرے۔ اسی لیے نماز کا التزام اور پابندی

بڑی ضروری چیز ہے تاکہ اوّلاً وہ ایک عادت راسخہ کی طرح قائم ہو اور رجوع الی اللہ کا خیال ہو۔ پھر رفتہ رفتہ وہ وقت آجاتا ہے کہ انقطاعِ کلّی کی حالت میں انسان ایک نُور اور ایک لذّت کا وارث ہو جاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 30 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

حنیف	کامل مؤحد	**کلوں**	مشینوں

درس روحانی خزائن نمبر46

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**بلند ہمتی:** ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ہمت اخلاقِ فاضلہ میں سے ہے اور مومن بڑا بلند ہمت ہوتا ہے ہر وقت خدا تعالیٰ کی نصرت اور تائید کے لیے تیار رہنا چاہیے اور کبھی بزدلی ظاہر نہ کرے بزدلی منافق کا نشان ہے۔ مومن دلیر اور شجاع ہوتا ہے مگر شجاعت سے یہ مراد نہیں کہ اس میں موقع شناسی نہ ہو موقع شناسی کے بغیر جو فعل کیا جاتا ہے وہ **تہوّر** ہوتا ہے مومن میں **شتاب کاری** نہیں ہوتی بلکہ وہ نہایت ہوشیاری اور تحمل کے ساتھ نصرتِ دین کے لیے تیار رہتا ہے اور بزدل نہیں ہوتا۔ انسان سے کبھی ایسا کام ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے مثلاً کسی سائل کو اگر دھکا دیا تو سختی کا موجب ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ کو ناراض کرنے والا فعل ہوتا ہے اور اسے توفیق نہیں ملے گی کہ اسے کچھ دے سکے، لیکن اگر نرمی یا اخلاق سے پیش آوے گا اور خواہ اُسے پیالہ پانی ہی کا دیدے تو وہ ازالۂ قبض کا موجب ہو جاوے گا۔

قبض وبسط: انسان پر قبض و بسط کی حالت آتی ہے۔ بسط کی حالت میں ذوق اور شوق بڑھ جاتا ہے اور قلب میں ایک انشراح پیدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ بڑھتی ہے۔ نمازوں میں لذّت اور سرور پیدا ہوتا ہے لیکن بعض وقت ایسی حالت بھی پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ذوق اور شوق جاتا رہتا ہے اور دل میں ایک تنگی کی سی حالت ہو جاتی ہے۔ جب یہ صورت ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ کثرت کیساتھ استغفار کرے اور پھر درود شریف بہت پڑھے۔ نماز بھی بار بار پڑھے۔ قبض کے دور ہونے کا یہی علاج ہے۔"

(ملفوظات سوم صفحہ 6،7 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

تہوّر	بے موقع، بغیر سوچے سمجھے زور آزمائی/طاقت کا استعمال کرنا	**شتاب کاری**	جلد بازی

درس روحانی خزائن نمبر 47

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

کیاخدااس جہان میں سزادیتاہے یادوسرے جہان میں؟''میں نے آپ کے سوال کو سمجھ لیاہے جو کچھ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی معرفت ہمیں بتایاہے کہ اور واقعات صحیحہ نے جس کی شہادت دی ہے اس سے صاف معلوم ہوتاہے کہ سزاوجزاکا قانون خدانے ایسامقرر کیاہے کہ اس کاسلسلہ اسی دنیاسے شروع ہوجاتاہے اور جو شوخیاں اور شرارتیں انسان کرتاہے وہ بجائے خود انہیں محسوس کرتاہے یانہیں کرتا۔ان کی سزااور پاداش جو یہاں ملتی ہے اس کی غرض تنبیہہ ہوتی ہے تاکہ توبہ اور رجوع سے شوخ انسان اپنی حالت میں نمایاں تبدیلی پیداکرے اور خداتعالیٰ کے ساتھ عبودیت کاجورشتہ ہے اس کو قائم کرنے میں جو غفلت اس نے کی ہے اس پر اطلاع پاکر اسے مستحکم کرناچاہئے۔اس وقت یاتوانسان اس تنبیہہ سے فائدہ اٹھاکر اپنی کمزوری کا علاج اللہ تعالیٰ کی مدد سے چاہتاہے اوریااپنی **شقاوت** سے اس میں دلیر ہوجاتااور اپنی سرکشی اور شرارت میں ترقی کرکے جہنم کاوارث ٹھہرجاتاہے۔اس دنیامیں جو سزائیں بطور تنبیہہ دی جاتی ہیں، ان کی مثال مکتب کی سی ہے۔ جیسے مکتب میں کچھ خفیف سی سزائیں بچوں کو ان کی غفلت اور سستی پر دی جاتی ہیں۔ اس سے یہ غرض نہیں ہوتی کہ علوم سے انہیں استاد محروم رکھناچاہتاہے بلکہ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ انہیں اپنی غرض پر اطلاع دے کر آئندہ کے لئے زیادہ محتاط اور ہوشیار بناوے۔

اسی طرح پر اللہ تعالیٰ جو شرارتوں اور شوخیوں پر کچھ سزادیتاہے، تواس کامقصد یہی ہوتاہے کہ نادان انسان جو اپنی جان پر ظلم کررہاہے اپنی شرارت اور اس کے نتائج پر مطلع ہوکر اللہ تعالیٰ کی عظمت و جبروت سے ڈر جاوے اور اس کی طرف رجوع کرے۔ میں نے اپنی جماعت کے سامنے بارہااس امر کو بیان کیاہے اور اب آپ کو بھی بتاتاہوں کہ جب انسان ایک کام کرتاہے۔ خداتعالیٰ کی طرف سے بھی ایک فعل اس کے نتیجہ کے طور پر مرتب ہوتاہے۔ مثلاً جب ہم کافی مقدار زہر کی کھالیں گے تواس کالازمی نتیجہ یہ ہوگاکہ ہم ہلاک ہوجائیں گے۔

اس میں زہر کھانا یہ ہمارا اپنا فعل تھا اور خدا کا فعل اس پر یہ ظاہر ہوا کہ اس نے ہلاک کر دیا یا مثلاً یہ کہ اگر ہم اپنے گھر کی کوٹھڑی کی کھڑکیاں بند کر لیں، تو یہ ہمارا فعل ہے۔ اور اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ہو گا کہ کوٹھڑی میں اندھیرا ہو جائے گا اس طرح پر انسان کے افعال اور اس پر بطور نتائج اللہ تعالیٰ کے افعال کے صدور کا قانون دنیا میں جاری ہے اور یہ نظام جیسا کہ ظاہر سے متعلق ہے اور جسمانی نظام میں اس کی **نظیریں** ہم روز دیکھتے ہیں اسی طرح پر باطن کے ساتھ بھی تعلق رکھتا ہے اور یہی ایک اصول ہے جو قانون سزا کے سمجھنے کے واسطے ضروری ہے اور وہ یہی ہے کہ ہمارا ہر ایک فعل نیک ہو یا بد اپنے فعل کے ساتھ ایک اثر رکھتا ہے جو ہمارے فعل کے بعد ظہور پذیر ہوتا ہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 16، 17 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

شقاوت	بد بختی، سنگدلی	نظیریں	مثالیں

درس روحانی خزائن نمبر48

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**انسان کی تدریجی ترقی:** میں جب خدا کے پاک کلام پر غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ کیونکر اس نے اپنی تعلیموں میں انسان کو اس کی طبعی حالتوں کی اصلاح کے قواعد عطا فرما کر پھر آہستہ آہستہ اوپر کی طرف کھینچا ہے اور اعلیٰ درجہ کی روحانی حالت تک پہنچانا چاہا ہے۔

تو مجھے یہ پُر معرفت قاعدہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اول خدا نے یہ چاہا ہے کہ انسان کو **نشست برخاست** اور کھانے پینے اور بات چیت اور تمام اقسام معاشرت کے طریق سکھلا کر اس کو وحشیانہ طریقوں سے نجات دیوے اور حیوانات کی مشابہت سے تمیز کلی بخش کر ایک ادنیٰ درجہ کی اخلاقی حالت جس کو ادب اور شائستگی کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں سکھلاوے۔ پھر انسان کی نیچرل عادات کو جن کو دوسرے لفظوں میں **اخلاق رذیلہ** کہہ سکتے ہیں اعتدال پر لاوے تا وہ اعتدال پا کر اخلاق فاضلہ کے رنگ میں آجائیں۔

مگر یہ دونوں طریقے دراصل ایک ہی ہیں کیونکہ طبعی حالتوں کی اصلاح کے متعلق ہیں صرف ادنیٰ اور اعلیٰ درجہ کے فرق نے ان کو دو قسم بنا دیا ہے۔ اور اس حکیم مطلق نے اخلاق کے نظام کو ایسے طور سے پیش کیا ہے کہ جس سے انسان ادنیٰ خلق سے اعلیٰ خلق تک ترقی کر سکے۔ اسلام کی حقیقت اور پھر تیسرا مرحلہ ترقیات کا یہ رکھا ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی محبت اور رضا میں محو ہو جائے اور سب وجود اس کا خدا کیلئے ہو جائے۔

یہ وہ مرتبہ ہے جس کو یاد دلانے کیلئے مسلمانوں کے دین کا نام اسلام رکھا گیا ہے۔ کیونکہ اسلام اس بات کو کہتے ہیں کہ بکلی خدا کیلئے ہو جانا اور اپنا کچھ باقی نہ رکھنا۔"

(اسلامی اصول کی فلاسفی روحانی خزائن جلد10 صفحہ 324)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

نشست برخاست	بیٹھنا اٹھنا	اخلاق رذیلہ	برے اخلاق

درس روحانی خزائن نمبر 49

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**اسلام کے عروج وزوال کے حقیقی اسباب:** ہمارے زمانہ میں جو سوال پیش ہوا کہ کیا وجوہات ہیں جن سے اسلام کو زوال آیا اور پھر وہ کیا ذریعے ہیں جن سے اس کی ترقی کی راہ نکل سکتی ہے اس کے مختلف قسم کے لوگوں نے اپنے اپنے خیال کے مطابق جواب دیئے ہیں مگر سچا جواب یہی ہے کہ قرآن کو ترک کرنے سے تنزل آیا اور اسی کی تعلیم کے مطابق عمل کرنے سے ہی اس کی حالت سنور جاوے گی۔ موجودہ زمانہ میں جو ان کو اپنے خونی مہدی اور مسیح کی آمد کی امید اور شوق ہے کہ وہ آتے ہی ان کو سلطنت لے دے گا اور کفار تباہ ہوں گے۔ یہ ان کے خام خیال اور وسوسے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ خدا نے جس طرح ابتداء میں دعا کے ذریعہ سے شیطان کو آدم کے زیر کیا تھا اسی طرح اب آخری زمانہ میں بھی دعا ہی کے ذریعہ سے غلبہ اور تسلط عطا کرے گا نہ تلوار سے۔ ہر ایک امر کے لئے کچھ آثار ہوتے ہیں اور اس سے پہلے تمہیدیں ہوتی ہیں **ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات** بھلا اگر ان کے خیال کے موافق یہ زمانہ ان کے دن پلٹنے کا ہی تھا اور مسیح نے آ کے ان کو سلطنت دلانی تھی تو چاہئیے تھا کہ ظاہری طاقت ان میں جمع ہونے لگتی۔ ہتھیار ان کے پاس زیادہ رہتے۔ فتوحات کا سلسلہ ان کے واسطے کھولا جاتا۔

مگر یہاں تو بالکل ہی برعکس نظر آتا ہے ہتھیار ان کے ایجاد نہیں۔ ملک و دولت ہے تو اوروں کے ہاتھ ہے۔ ہمت و مردانگی ہے تو اوروں میں۔ یہ ہتھیاروں کے واسطے بھی دوسروں کے محتاج۔ دن بدن ذلت اور ادباران کے گرد ہے جہاں دیکھو۔ جس میدان میں سنوا نہیں کو شکست ہے۔ بھلا کیا یہی آثار ہوا کرتے ہیں **اقبال** کے؟ ہرگز نہیں یہ بھولے ہوئے ہیں زمینی تلوار اور ہتھیاروں سے ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ابھی تو ان کی خود اپنی حالت ایسی ہے اور بے دینی اور لامذہبی کا رنگ ایسا آیا ہے کہ قابل عذاب اور مورد قہر ہیں۔ پھر ایسوں کو کبھی تلوار ملی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ان کی ترقی کی وہی سچی راہ ہے کہ اپنے آپ کو قرآن کی تعلیم کے

مطابق بناویں اور دعا میں لگ جاویں ان کو اب اگر مدد آوے گی تو آسمانی تلوار سے اور آسمانی حربہ سے نہ اپنی کوششوں سے اور دعا ہی سے ان فتح ہے نہ قوت بازو سے یہ اس لیے ہے کہ جس طرح ابتدا تھی انتہا بھی اسی طرح ہو۔ آدم اول کو فتح دعا ہی سے ہوئی تھی رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا...... الخ (الاعراف:24) اور آدم ثانی کو بھی جو آخری زمانہ میں شیطان سے آخری جنگ کرنا ہے اسی طرح دعا ہی کے ذریعہ فتح ہو گی۔"

(ملفوظات جلد سوم صفحہ 190،191 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات	صاحب نصیب اور صاحب اقبال اولاد کے آثار شروع سے ہی اچھے ہوتے ہیں	اقبال	غلبہ، عروج، عزت

درس روحانی خزائن نمبر50

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**تقویٰ کی بابت نصیحت:** اپنی جماعت کی خیر خواہی کے لیے زیادہ ضروری بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ تقویٰ کی بابت نصیحت کی جاوے، کیونکہ یہ بات عقل مند کے نزدیک ظاہر ہے کہ بجز تقویٰ کے اور کسی بات سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِیۡنَ ھُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ (النحل:129) ہماری جماعت کے لئے خاص کر تقویٰ کی ضرورت ہے۔ خصوصاً اس خیال سے بھی کہ وہ ایک ایسے شخص سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کے سلسلہ بیعت میں ہیں جس کا دعویٰ ماموریت کا ہے تا وہ لوگ خواہ کسی قسم کے بغضوں، کینوں یا شرکوں میں مبتلا تھے یا کیسے ہی روبہ دنیا تھے، ان تمام آفات سے نجات پاویں۔ آپ جانتے ہیں کہ اگر کوئی بیمار ہو جاوے خواہ اس کی بیماری چھوٹی ہو یا بڑی اگر اس بیماری کے لئے دوانہ کی جاوے اور علاج کے لئے دکھ نہ اٹھایا جاوے بیمار اچھا نہیں ہو سکتا۔ ایک سیاہ داغ منہ پر نکل کر ایک بڑا فکر پیدا کر دیتا ہے کہ کہیں یہ داغ بڑھتا بڑھتا کُل منہ کو کالا نہ کر دے۔ اسی طرح معصیت کا بھی ایک سیاہ داغ دل پر ہوتا ہے۔ صغائر سہل انگاری سے کبائر ہو جاتے ہیں۔ صغائر وہی داغ چھوٹا ہے جو بڑھ کر آخر کار کُل منہ کو سیاہ کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے ویسا ہی قہار اور **منتقم** بھی ہے۔ ایک جماعت کو دیکھتا ہے کہ ان کا دعویٰ اور **لاف و گزاف** تو بہت کچھ ہے اور ان کی عملی حالت ایسی نہیں، تو اس کا غیض و غضب بڑھ جاتا ہے۔ پھر ایسی جماعت کی سزا دہی کے لئے وہ کفار کو ہی تجویز کرتا ہے۔ جو لوگ تاریخ سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کئی دفعہ مسلمان کافروں سے تہ تیغ کئے گئے۔ جیسے چنگیز خاں اور ہلاکو خاں نے مسلمانوں کو تباہ کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے حمایت اور نصرت کا وعدہ کیا ہے، لیکن پھر بھی مسلمان مغلوب ہوئے۔ اس قسم کے واقعات بسا اوقات پیش آئے۔ اس کا باعث یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو پکارتی ہے، لیکن اس کا دل اور طرف ہے اور اپنے افعال سے وہ بالکل **روبدنیا** ہے تو پھر اس کا قہر اپنا رنگ

دکھاتا ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 7 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

منتقم	انتقام لینے والا	لاف وگزاف	شیخی، ڈینگ
روبدنیا	دنیا کی طرف جھکا ہوا		

درس روحانی خزائن نمبر 51

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام بیان کرتے ہیں:۔

"تمام سعادت مندیوں کا **مدار** خداشناسی پر ہے اور نفسانی جذبات اور شیطانی محرکات سے روکنے والی صرف ایک ہی چیز ہے جو خدا کی معرفت کاملہ کہلاتی ہے جس سے پتہ لگ جاتا ہے کہ خدا ہے۔ وہ بڑا قادر ہے وہ **ذوالعذاب الشدید** ہے یہی ایک نسخہ ہے جو انسان کی **متمردانہ** زندگی پر ایک بھسم کرنیوالی بجلی گراتا ہے پس جب تک انسان آمَنْتُ بِاللّٰہِ کی حدود سے نکل کر **عرفت اللہ** کی منزل پر قدم نہیں رکھتا اس کا گناہوں سے بچنا محال ہے اور یہ بات کہ ہم خدا کی معرفت اور اس کی صفات پر یقین لانے سے گناہوں سے کیونکر بچ جائیں گے ایک ایسی صداقت ہے جس کو ہم جھٹلا نہیں سکتے۔ ہمارا روزانہ تجربہ اس امر کی دلیل ہے کہ جس سے انسان ڈرتا ہے اس کے نزدیک نہیں جاتا مثلاً جب کہ یہ علم ہو کہ سانپ ڈس لیتا ہے اور اس کا ڈسا ہوا ہلاک ہو جاتا ہے تو کون دانش مند ہے جو اس کے منہ میں اپنا ہاتھ دیتا تو درکنار کبھی ایسے سوٹے کے نزدیک بھی جانا پسند کرے جس سے کوئی زہریلا سانپ مارا گیا ہو۔ اسے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کے زہر کا اثر اس میں باقی نہ ہو اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ فلاں جنگل میں شیر ہے تو ممکن نہیں کہ وہ اس میں سفر کر سکے یا کم از کم تنہا جا سکے بچوں تک میں یہ مادہ اور شعور موجود ہے کہ جس چیز کے خطرناک ہونے کا ان کو یقین دلایا گیا ہے وہ اس سے ڈرتے ہیں۔ پس جب تک انسان میں خدا کی معرفت اور گناہوں کے زہر کا یقین پیدا نہ ہو، کوئی اور طریق خواہ کسی کی خودکشی ہو یا قربانی کا خون نجات نہیں دے سکتا اور گناہ کی زندگی پر موت وارد نہیں کر سکتا یقیناً یاد رکھو کہ گناہوں کا سیلاب اور نفسانی جذبات کا دریا بجز اس کے رک ہی نہیں سکتا کہ ایک چمکتا ہوا یقین اس کو حاصل ہو کہ خدا ہے اور اس کی تلوار ہے جو ہر ایک نافرمان پر بجلی کی طرح گرتی ہے۔ جب تک یہ پیدا نہ ہو گناہ سے بچ نہیں سکتا اگر کوئی کہے کہ ہم خدا پر ایمان لاتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان لاتے کہ وہ نافرمانوں کو سزا دیتا ہے مگر گناہ ہم سے دور نہیں ہوتے۔ میں جواب میں یہی کہوں گا کہ یہ جھوٹ ہے اور نفس کا مغالطہ ہے سچے ایمان اور سچے یقین اور گناہ میں باہم عداوت ہے جہاں سچی معرفت

اور چمکتا ہوا یقین خدا پر ہو وہاں ممکن نہیں کہ گناہ رہے۔"

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 3،4 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

مدار	مرکز	ذوالعذاب الشدید	سخت عذاب دینے والا
متمردانہ	سرکشیانہ	عرفت اللہ	میں نے اللہ کو پہچانا

درس روحانی خزائن نمبر52

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**بیعت اور توبہ:** بیعت میں جاننا چاہیے کہ کیا فائدہ ہے اور کیوں اس کی ضرورت ہے؟ جب تک کسی شئے کا فائدہ اور قیمت معلوم نہ ہو، تو اس کی قدر آنکھوں کے اندر نہیں سماتی۔ جیسے گھر میں انسان کے کئی قسم کا مال واسباب ہوتا ہے۔ مثلاً روپیہ، پیسہ، **کوڑی**، لکڑی وغیرہ۔ تو جس قسم کی شے ہے، اسی درجہ کی اس کی حفاظت کی جاوے گی۔ ایک کوڑی کی حفاظت کے لیے وہ سامان نہ کرے گا جو پیسہ اور روپیہ کے لیے اسے کرنا پڑے گا اور لکڑی وغیرہ کو تو یونہی ایک کونہ میں ڈال دے گا۔ **علی ہذا القیاس** جس کے **تلف** ہونے سے اس کا زیادہ نقصان ہے۔ اس کی زیادہ حفاظت کرے گا۔ اسی طرح بیعت میں عظیم الشان بات توبہ ہے۔ جس کے معنی رجوع کے ہیں۔ توبہ اس حالت کا نام ہے کہ انسان اپنے **معاصی** سے جن سے اس کے تعلقات بڑھے ہوئے ہیں اور اس نے اپنا وطن انہیں مقرر کر لیا ہوا ہے گویا کہ گناہ میں اس نے بود و باش مقرر کر لی ہوئی ہے۔ اس وطن کو چھوڑنا اور رجوع کے معنے پاکیزگی کو اختیار کرنا۔ اب وطن کو چھوڑنا بڑا گراں گزرتا ہے اور ہزاروں تکلیفیں ہوتی ہیں۔ ایک گھر جب انسان چھوڑتا ہے تو کس قدر اسے تکلیف ہوتی ہے اور وطن کو چھوڑنے میں تو اس کو سب یار دوستوں سے قطع تعلق کرنا پڑتا ہے اور سب چیزوں کو مثل چارپائی، فرش و ہمسائے، وہ گلیاں کوچے، بازار سب چھوڑ چھاڑ کر ایک نئے ملک میں جانا پڑتا ہے یعنی اس (سابقہ) وطن میں کبھی نہیں آتا۔ اس کا نام توبہ ہے۔ **معصیت** کے دوست اور ہوتے ہیں اور تقویٰ کے دوست اور۔ اس تبدیلی کو صوفیاء نے موت کہا ہے جو توبہ کرتا ہے، اسے بڑا حرج اٹھانا پڑتا ہے اور سچی توبہ کے وقت بڑے بڑے حرج اس کے سامنے آتے ہیں اور اللہ تعالی رحیم و کریم ہے۔ وہ جب تک اس کل کا **نعم البدل** عطا نہ فرماوے، نہیں مارتا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ (البقرہ:223) میں یہی اشارہ ہے کہ وہ توبہ کر کے غریب، بیکس ہو جاتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اس سے محبت اور پیار کرتا ہے اور اُسے نیکوں کی جماعت میں داخل کرتا ہے۔ دوسری قومیں خدا کو رحیم و کریم

خیال نہیں کرتیں۔ عیسائیوں نے خدا کو تو ظالم جانا اور بیٹے کو رحیم کہ باپ تو گناہ نہ بخشے اور بیٹا جان دے کر بخشوائے بڑی بے وقوفی ہے کہ باپ بیٹے میں اتنا فرق ہو والد مولود میں مناسبت اخلاق، عادات کی ہوا کرتی ہے۔ (مگر یہاں تو بالکل ندارد) اگر اللہ رحیم نہ ہوتا تو انسان کا ایک دم گزارہ نہ ہوتا۔ جس نے انسان کے عمل سے پیشتر ہزاروں اشیاء اُس کے لئے مفید بنائیں، تو کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ توبہ اور عمل کو قبول نہ کرے۔"

(ملفوظات جلد اول صفحہ 2 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

کوڑی	تھوڑا سامال، حقیر اور معمولی	علی ہذا القیاس	اسی طرح پر
تلف	نیست ونابود ہونا	معاصی	گناہوں
معصیت	گناہ	نعم البدل	اچھا بدلہ

درس روحانی خزائن نمبر 53

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**باہم اتفاق و محبت**: جماعت کے باہم اتفاق و محبت پر میں پہلے بہت دفعہ کہہ چکا ہوں کہ تم باہم اتفاق رکھو اور اجتماع کرو۔ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہی تعلیم دی تھی۔ کہ تم وجود واحد رکھو، ورنہ ہوا نکل جائے گی۔ نماز میں ایک دوسرے کے ساتھ جڑ کر کھڑے ہونے کا حکم اسی لیے ہے کہ باہم اتحاد ہو۔ برقی طاقت کی طرح ایک کی خیر دوسرے میں سرایت کرے گی۔ اگر اختلاف ہو، اتحاد نہ ہو۔ تو پھر بے نصیب رہو گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ آپس میں محبت کرو اور ایک دوسرے کے لیے غائبانہ دُعا کرو۔ اگر ایک شخص غائبانہ دعا کرے تو فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے لیے بھی ایسا ہو۔ کیسی اعلیٰ درجہ کی بات ہے۔ اگر انسان کی دعا منظور نہ ہو، تو فرشتہ کی تو منظور ہی ہوتی ہے۔ میں نصیحت کرتا ہوں اور کہنا چاہتا ہوں کہ آپس میں اختلاف نہ ہو۔

میں دو ہی مسئلے لے کر آیا ہوں۔ **اول** خدا کی توحید اختیار کرو۔ **دوسرے** آپس میں محبت اور ہمدردی ظاہر کرو۔ وہ نمونہ دکھلاؤ کہ غیروں کے لیے **کرامت** ہو۔ یہی دلیل تھی جو صحابہؓ میں پیدا ہوتی تھی كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ (آل عمران:104) یاد رکھو! تالیف ایک اعجاز ہے۔ یاد رکھو! جبتک تم میں ہر ایک ایسا نہ ہو کہ جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لیے پسند کرے، وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ وہ مصیبت اور بلا میں ہے۔ اس کا انجام اچھا نہیں۔ میں ایک کتاب بنانے والا ہوں۔ اس میں ایسے تمام لوگ الگ کر دیئے جائیں گے جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر لڑائی ہوتی ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ کسی بازیگر نے دس گز کی چھلانگ ماری ہے۔ دوسرا اُس پر بحث کرنے بیٹھتا ہے اور اس طرح پر کینہ کا وجود پیدا ہو جاتا ہے۔ یاد رکھو بغض کا جدا ہونا مہدی کی علامت ہے اور کیا وہ علامت پوری نہ ہو گی۔ وہ ضرور ہو گی۔ تم کیوں صبر نہیں کرتے۔ جیسے طبی مسئلہ ہے کہ جبتک بعض امراض میں **قلع قمع** نہ کیا جاوے، مرض دفع نہیں ہوتا۔ میرے وجود سے انشاء اللہ ایک

صالح جماعت پیدا ہو گی۔ باہمی عداوت کا سبب کیا ہے۔ بخل ہے، **رعونت** ہے، خود پسندی ہے اور جذبات ہیں میں نے بتلایا ہے کہ میں عنقریب ایک کتاب لکھوں گا اور ایسے تمام لوگوں کو جماعت سے الگ کر دوں گا۔ جو اپنے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے اور باہم محبت اور اخوت سے نہیں رہ سکتے۔ جو ایسے ہیں وہ یاد رکھیں کہ وہ چند روزہ مہمان ہیں۔ جبتک کہ عمدہ نمونہ نہ دکھائیں۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 336 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

کرامت	معجزہ	قلع قمع	نیست ونابود، تباہ وبرباد کرنا
رعونت	تکبر		

درس روحانی خزائن نمبر54

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

''اے نادانو خوب سمجھو اے غافلو خوب سوچ لو کہ بغیر سچی پاکیزگی ایمانی اور اخلاقی اور اعمالی کے کسی طرح رہائی نہیں اور جو شخص ہر طرح سے گندہ رہ کر پھر اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کو نہیں بلکہ وہ اپنے تئیں دھوکا دیتا ہے اور مجھے ان لوگوں سے کیا کام جو سچے دل سے دینی احکام اپنے سر پر نہیں اٹھالیتے اور رسول کریم کے پاک جوئے کے نیچے صدق دل سے اپنی گردنیں نہیں دیتے اور راستبازی کو اختیار نہیں کرتے اور فاسقانہ عادتوں سے بیزار ہونا نہیں چاہتے اور ٹھٹھے کی مجالس کو نہیں چھوڑتے اور ناپاکی کے خیالوں کو ترک نہیں کرتے اور انسانیت اور تہذیب اور صبر اور نرمی کا جامہ نہیں پہنتے بلکہ غریبوں کو ستاتے اور عاجزوں کو دھکے دیتے اور اکڑ کر بازاروں میں چلتے اور تکبر سے کرسیوں پر بیٹھتے ہیں اور اپنے تئیں بڑا سمجھتے ہیں اور کوئی بڑا نہیں مگر وہی جو اپنے تئیں چھوٹا خیال کرے۔

مبارک وہ لوگ جو اپنے تئیں سب سے زیادہ ذلیل اور چھوٹا سمجھتے ہیں اور شرم سے بات کرتے ہیں اور غریبوں اور مسکینوں کی عزت کرتے اور عاجزوں کو تعظیم سے پیش آتے ہیں اور کبھی شرارت اور تکبر کی وجہ سے ٹھٹھا نہیں کرتے اور اپنے رب کریم کو یاد رکھتے ہیں اور زمین پر غریبی سے چلتے ہیں۔ سو میں بار بار کہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ہیں جن کے لئے نجات طیار کی گئی ہے۔ جو شخص شرارت اور تکبر اور خود پسندی اور غرور اور دنیا پرستی اور لالچ اور بدکاری کی دوزخ سے اسی جہان میں باہر نہیں وہ اس جہان میں کبھی باہر نہیں ہوگا۔ میں کیا کروں اور کہاں سے ایسے الفاظ لاؤں جو اس گروہ کے دلوں پر کارگر ہوں خدایا مجھے ایسے الفاظ عطا فرما اور ایسی تقریریں الہام کر جو ان دلوں پر اپنا نور ڈالیں اور اپنی تریاقی خاصیت سے ان کی زہر کو دور کر دیں۔ میری جان اس شوق سے تڑپ رہی ہے کہ کبھی وہ بھی دن ہو کہ اپنی جماعت میں بکثرت ایسے لوگ دیکھوں جنہوں نے درحقیقت جھوٹ چھوڑ دیا اور ایک سچا عہد اپنے خدا سے کر لیا کہ وہ ہر یک شر سے اپنے تئیں بچائیں گے اور تکبر سے جو تمام شرارتوں کی جڑ ہے بالکل دور جا پڑیں گے اور اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے۔''

(شہادۃ القرآن روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 398,397)

درس روحانی خزائن نمبر 55

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**گناہ اور توبہ کی حقیقت:** گناہ کی یہ حقیقت نہیں ہے کہ اللہ گناہ کو پیدا کرے اور پھر ہزاروں برس کے بعد گناہ کی مُعافی سُوجھے۔ جیسے مکھّی کے دو پر ہیں۔ ایک میں شفا اور دُوسرے میں زہر۔ اسی طرح انسان کے دو پر ہیں۔ ایک معاصی کا دوسرا **خجالت**، توبہ، پریشانی کا۔ یہ ایک قاعدہ کی بات ہے جیسے ایک شخص جب غلام کو سخت مارتا ہے تو پھر اُس کے بعد پچھتاتا ہے۔ گویا کہ دونوں پَر اکٹھے حرکت کرتے ہیں۔ زہر کے ساتھ **تریاق** ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ زہر کیوں بنایا گیا؟ تو جواب یہ ہے کہ گو یہ زہر ہے، مگر **کُشتہ** کرنے سے حکم **اکسیر** کا رکھتا ہے۔ اگر گناہ نہ ہوتا تو **رعونت** کا زہر انسان میں بڑھ جاتا اور وہ ہلاک ہو جاتا۔ توبہ اس کی **تلافی** کرتی ہے۔ کبر اور **عُجب** کی آفت سے گناہ انسان کو بچائے رکھتا ہے۔ جب نبی معصومؐ ستر بار استغفار کرے تو ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ گناہ سے توبہ وہی نہیں کرتا جو اس پر راضی ہو جاوے اور جو گناہ کو گناہ جانتا ہے، وہ آخر اُسے چھوڑے گا۔

حدیث میں آیا ہے کہ جب انسان بار بار رو رو کر اللہ سے بخشش چاہتا ہے تو آخر کار خدا کہہ دیتا ہے کہ ہم نے تجھ کو بخشش دیا۔ اب تیرا جو جی چاہے سو کر۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کے دل کو بدل دیا اور اب گناہ اُسے بالطبع بُرا معلوم ہو گا۔ جیسے بھیڑ کو مَیلا کھاتے دیکھ کر کوئی دوسرا حرِص نہیں کرتا کہ وُہ بھی کھاوے، اسی طرح وہ اِنسان بھی گناہ نہ کرے گا جسے خدا نے بخش دیا ہے۔ مُسلمانوں کو خنزیر کے گوشت سے بالطبع کراہت ہے، حالانکہ اور دُوسرے ہزاروں کام کرتے ہیں جو حرام اور منع ہیں۔ تو اس میں حکمت یہی ہے کہ ایک نمونہ کراہت کا رکھ دیا ہے اور سمجھا دیا ہے کہ اسی طرح انسان کو گناہ سے نفرت ہو جاوے۔

دُعا تریاق ہے: گناہ کرنے والا اپنے گناہوں کی کثرت وغیرہ کا خیال کر کے دُعا سے ہر گز باز نہ رہے۔ دعا تریاق ہے۔ آخر دعاؤں سے دیکھ لے گا کہ گناہ اسے کیسا برا لگنے لگا۔ جو لوگ معاصی میں ڈوب کر دعا کی قبولیت سے مایوس رہتے ہیں اور توبہ کی طرف رجوع نہیں کرتے، آخر وہ انبیاء اور ان کی تاثیرات کے منکر ہو جاتے ہیں۔

توبہ جُزوِبیعت ہے: یہ توبہ کی حقیقت ہے (جو اوپر بیان ہوئی) اور یہ بیعت کی جز کیوں ہے ؟ تو بات یہ ہے کہ انسان غفلت میں پڑا ہوا ہے۔ جب وہ بیعت کرتا ہے اور ایسے کے ہاتھ پر جسے اللہ تعالیٰ نے وہ تبدیلی بیان بخشی ہو، تو جیسے درخت میں پیوند لگانے سے خاصیت بدل جاتی ہے۔ اسی طرح سے اس پیوند سے بھی اس میں وہ فیوض اور انوار آنے لگتے ہیں (جو اس تبدیلی یافتہ انسان میں ہوتے ہیں) بشرطیکہ اس کے ساتھ سچا تعلق ہو۔ خشک شاخ کی طرح نہ ہو۔ اس کی شاخ ہو کر پیوند ہو جاوے۔ جس قدر یہ نسبت ہو گی اسی قدر فائدہ ہو گا۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 3 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

خجالت	شرمندگی	تریاق	زہر کی دوا
کُشتہ	مارا ہوا، طبؔ کی اصطلاح میں کسی زہر کو آگ میں ایک خاص طریق سے جلا کر اس کا زہر مارنا	اکسیر	نہایت فائدہ منداور قیمتی چیز، زہر کا اثر زائل کرنے والی دوائی
رعونت	تکبر	تلافی	عوض، بدلہ
عُجب	غرور، تکبر		

درس روحانی خزائن نمبر56

ایک گندے اشتہار کا جواب لکھنے سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احباب جماعت کو نصیحت فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:۔

"مگر قبل اس کے کہ مَیں اس اشتہار کا جواب لکھوں اپنی جماعت کے لوگوں کو نصیحتاً کہتا ہوں کہ جو کچھ اس اشتہار کے لکھنے والوں اور ان کی جماعت نے محض دل دُکھانے اور توہین کی نیّت سے ہمارے نبی کریم ﷺ کی نسبت اعتراضات کے پیرایہ میں سخت الفاظ لکھے ہیں یا میری نسبت **مال خور** اور **ٹھگ** اور کاذب اور نمک حرام کے لفظ کو استعمال میں لائے ہیں اور مجھے لوگوں کا دغابازی سے مال کھانے والا قرار دیا ہے اور یا جو خود میری جماعت کی نسبت سؤر اور کتے اور مُردار خوار اور گدھے اور بندر وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور **ملیچھ** ان کا نام رکھا ہے۔ ان تمام دُکھ دینے والے الفاظ پر وہ صبر کریں اور مَیں اس جوش اور اشتعال طبع کو خوب جانتا ہوں کہ جو انسان کو اس حالت میں پیدا ہوتا ہے کہ جب کہ نہ صرف اس کو گالیاں دی جاتی ہیں بلکہ اس کے رسول اور پیشوا اور امام کو توہین اور تحقیر کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے اور سخت اور غضب پیدا کرنے والے الفاظ سنائے جاتے ہیں لیکن مَیں کہتا ہوں کہ اگر تم ان گالیوں اور بدزبانیوں پر صبر نہ کرو تو پھر تم میں اور دوسرے لوگوں میں کیا فرق ہوگا اور یہ کوئی ایسی بات نہیں کہ تمہارے ساتھ ہوئی اور پہلے کسی سے نہیں ہوئی ہر ایک سچا سلسلہ جو دنیا میں قائم ہوا ضرور دنیا نے اس سے دشمنی کی ہے۔

سو چونکہ تم سچائی کے وارث ہو ضرور ہے کہ تم سے بھی دشمنی کریں سو خبردار رہو نفسانیت تم پر غالب نہ آوے، ہر ایک سختی کی برداشت کرو ہر ایک گالی کا نرمی سے جواب دو۔"

(نسیم دعوت روحانی خزائن جلد19 صفحہ364)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

مال خور	مال کھانے والا	ٹھگ	دھوکہ باز
ملیچھ	غیر ملک کا باشندہ، غیر ہندو، ناپاک		

درس روحانی خزائن نمبر 57

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**رسمی بیعت فائدہ نہیں دیتی:** بیعت رسمی فائدہ نہیں دیتی۔ ایسے بیعت سے حصہ دار ہونا مشکل ہوتا ہے۔ اسی وقت حصہ دار ہو گا جب اپنے وجود کو ترک کر کے بالکل محبت اور اخلاص کے ساتھ اس کے ساتھ ہو جاوے۔ منافق آنحضرت ﷺ کے ساتھ سچا تعلق نہ ہونے کی وجہ سے آخر بے ایمان رہے۔ ان کو سچی محبت اور اخلاص پیدا نہ ہوا، اس لیے ظاہری لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ان کے کام نہ آیا۔ تو ان تعلقات کو بڑھانا بڑا ضروری امر ہے۔ اگر ان تعلقات کو وہ (طالب) نہیں بڑھاتا اور کوشش نہیں کرتا، تو اس کا شکوہ اور افسوس بے فائدہ ہے۔ محبت اور اخلاص کا تعلق بڑھانا چاہیے۔ جہاں تک ممکن ہو اس انسان (مرشد) کے ہمرنگ ہو۔ طریقوں میں اور اعتقاد میں۔ نفس لمبی عمر کے وعدے دیتا ہے۔ یہ دھوکہ ہے۔ عمر کا اعتبار نہیں ہے۔ جلدی راستبازی اور عبادت کی طرف جھکنا چاہیے۔ اور صبح سے لے کر شام تک حساب کرنا چاہیے۔

تہجد کی تاکید: اس زندگی کے کل انفاس اگر دنیاوی کاموں میں گذر گئے، تو آخرت کے لئے کیا ذخیرہ کیا.....؟ تہجد میں خاص کر اُٹھو اور ذوق اور شوق سے ادا کرو۔ درمیانی نمازوں میں بہ باعث ملازمت کے ابتلا آجاتا ہے۔ رازق اللہ تعالیٰ ہے۔ نماز اپنے وقت پر ادا کرنی چاہیے۔ ظہر اور عصر کبھی کبھی جمع ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ ضعیف لوگ ہوں گے، اس لیے یہ گنجائش رکھ دی، مگر یہ گنجائش تین کے جمع کرنے میں نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر تکلیف اٹھانا جبکہ ملازمت میں اور دوسرے کئی امور میں لوگ سزا پاتے ہیں (اور مورد عتاب حکام ہوتے ہیں) تو اگر اللہ تعالیٰ کے لئے تکلیف اٹھاویں تو کیا خوب ہے۔ جو لوگ راستبازی کے لیے تکلیف اور نقصان اٹھاتے ہیں وہ لوگوں کی نظروں میں بھی مرغوب ہوتے ہیں۔ اور یہ کام نبیوں اور صدیقوں کا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کے لیے دنیاوی نقصان کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی اپنے ذمہ نہیں رکھتا، پورا اجر دیتا ہے۔ انسان منافقانہ طرز نہ رکھے (انسان کو لازم ہے) منافقانہ طرز نہ رکھے۔ مثلاً اگر

ایک ہندو (خواہ حاکم یا عہدیدار ہو) کہے کہ رام اور رحیم ایک ہے، تو ایسے موقع پر ہاں میں ہاں نہ ملائے۔ اللہ تعالیٰ تہذیب سے منع نہیں کرتا۔ مہذبانہ جواب دیوے۔ حکمت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ایسی گفتگو کی جاوے جس سے خوانخواہ جوش پیدا ہو اور بیہودہ جنگ ہو۔ کبھی **اخفائے حق** نہ کرے۔ ہاں میں ہاں ملانے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔

یار غالب شو کہ تا غالب شوی

اللہ تعالیٰ کا لحاظ اور پاس رکھنا چاہیے۔ ہمارے دین میں کوئی بات تہذیب کے خلاف نہیں۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 3،4 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

انفاس	سانسیں، دم، (مجازاً) لمحات زندگی	اخفائے حق	حق کا پوشیدہ رکھنا
یار غالب شو کہ تا غالب شوی		غالب کے دوست بنو تا کہ تم غالب ہو جاؤ	

درس روحانی خزائن نمبر 58

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

حضرت ابراہیمؑ کیلئے آگ کا ٹھنڈا کیا جانا: ”حضور علیہ السلام نے فرمایا فتنہ وفساد کی آگ تو ہر نبی کے مقابل میں ہوتی ہے اور وہی ہمیشہ کوئی ایسا رنگ اختیار کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک معجزہ نما طاقت اپنے نبی کی تائید میں اس کے بالمقابل دکھاتا ہے۔ ظاہری آتش کا حضرت ابراہیمؑ پر فرو کر دینا خدا تعالیٰ کے آگے کوئی مشکل امر نہیں اور ایسے واقعات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ان واقعات کی اب بہت تحقیقات کی ضرورت نہیں کیونکہ ہزاروں سالوں کی بات ہے۔ ہم خود اس زمانہ میں ایسے واقعات دیکھ رہے ہیں اور اپنے اوپر تجربہ کر رہے ہیں۔

معجزانہ حفاظت کے چند واقعات:

(1) ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ میں سیالکوٹ میں تھا تو ایک دن بارش ہو رہی تھی۔ جس کمرہ کے اندر میں بیٹھا ہوا تھا اس میں بجلی آئی سارا کمرہ دھوئیں کی طرح بھر گیا اور گندھک کی سی بو آتی تھی، لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہنچا اسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گری جو کہ تیجا سنگھ کا مندر تھا اور اس میں ہندوؤں کی رسم کے مطابق طواف کے واسطے پیچ در پیچ ارد گرد دیوار بنی ہوئی تھی اور وہ اندر بیٹھا ہوا تھا۔ بجلی ان تمام چکروں میں سے ہو کر اندر جا کر اس پر گری اور وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو گیا۔ دیکھو وہی بجلی کی آگ تھی جس نے اس کو جلا دیا مگر ہم کو کچھ ضرر نہیں دے سکی۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہماری حفاظت کی۔

(2) ایسا ہی سیالکوٹ کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کو میں ایک مکان کی دوسری منزل میں سویا ہوا تھا اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ سولہ اور آدمی بھی تھے۔ رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔ میں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ انہوں نے کہا کوئی چوہا ہو گا کچھ خوف کی بات نہیں۔ اور یہ کہہ کر پھر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی ہی آواز سُنی۔ تب میں نے ان کو دوبارہ جگایا مگر پھر بھی انہوں

نے کچھ پروانہ کی۔ پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی۔ تب میں نے اُن کو سختی سے اُٹھایا اور سب کو مکان سب باہر نکلا اور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا۔ ابھی میں دوسرے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری اور دوسری چھت کو بھی ساتھ لے کر نیچے جا پڑی۔ اور چار پائیاں ریزہ ریزہ ہو گئیں اور ہم سب بچ گئے۔ یہ خدا تعالیٰ کی معجزہ نما حفاظت ہے جب تک کہ ہم وہاں سے نکل نہ آئے شہتیر گرنے سے محفوظ رہا۔

(3) ایسا ہی ایک دفعہ ایک بچھو میرے بستر کے اندر لحاف کے ساتھ مرا ہوا پایا گیا اور دوسری دفعہ ایک بچھو لحاف کے اندر چلتا ہوا پکڑا گیا۔ مگر ہر دو بار خدا تعالیٰ نے مجھے ان کے ضرر سے محفوظ رکھا۔

(4) ایک دفعہ میرے دامن کو آگ لگ گئی تھی۔ مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ ایک اور شخص نے دیکھا اور بتلایا اور اس آگ کو بجھا دیا۔ خدا تعالیٰ کے پاس کسی کے بچانے کی ایک راہ نہیں بلکہ بہت راہیں ہیں۔ آگ کی گرمی اور سوزش کے واسطے بھی کئی ایک اسباب ہیں اور بعض اسباب مخفی در مخفی ہیں۔ جن کی لوگوں کو خبر نہیں اور خدا تعالیٰ نے وہ اسباب اب تک دُنیا پر ظاہر نہیں کئے جن سے اس کی سوزش کی تاثیر جاتی رہے۔ پس اس میں کون سی تعجب کی بات ہے کہ حضرت ابراہیمؑ پر آگ ٹھنڈی ہو گئی۔"

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 225، 226 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

فرو	بجھانا، دور کرنا	زینہ	سیڑھی
مخفی در مخفی	پوشیدہ، چھپا ہوا		

درس روحانی خزائن نمبر 59

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

اپنی نیک نیت میں فرق نہ لاؤ: ”خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ زیادہ بزرگ تم میں سے وہ ہے جو تقویٰ میں زیادہ ہے۔ جیسے قرآن شریف میں ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات:14) اور متقیوں کے صفات میں سے ہے کہ وہ بالغیب ایمان لاتے ہیں۔ نمازیں پڑھتے ہیں اور مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ:4) یعنی علم،مال اور دوسرے قویٰ ظاہری اور باطنی جو کچھ دیا ہے۔ سب کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے خدا تعالیٰ نے بڑے بڑے وعدے انعام کے کئے ہیں۔

انسان ایک کارِ خیر کے لیے جب نیت کرتا ہے تو اس کو چاہیے کہ پھر اس میں کسی قسم کا فرق نہ لاوے۔ اگر کوئی دوسرا جو اس میں حصہ لینے والا تھا یا نہ تھا، مزاحم ہو اور بد دیانتی کرے تو بھی اول الذکر کو چاہیے کہ وہ کسی قسم کا تغیر اپنے ارادہ میں نہ کرے۔ اس کو اس کی نیت کا اجر ملے گا اور دوسرا اپنی شرارت کی سزا پاوے گا۔

دنیا میں لوگوں کو ایک یہ بھی بڑی غلطی لگی ہے کہ دوسرے سے مقابلہ کے وقت یا اس کی نیت میں فرق آتا دیکھ کر اپنی نیت کو جو خیر پر مبنی ہوتی ہے، بدل دیا جاتا ہے۔ اس طرح سے بجائے ثواب کے عذاب حاصل ہوتا ہے۔

یاد رکھو کہ جو شخص خدا تعالیٰ کے لیے نقصان روا نہیں رکھتا وہ عند اللہ کسی اجر کا بھی مستحق نہیں۔ خدا کے لیے تو جان تک دریغ نہ کرنی چاہیے۔ پھر زمین وغیرہ کیا شئے ہے۔ جس قدر کوئی دکھ اٹھانے کے لیے تیار ہو گا اتنا ہی اُسے ثواب ملے گا۔ اگر کوئی شخص یہ اصول اختیار نہیں کرتا تو اس نے ابھی تک ہمارے سلسلہ کا مطلب اور مقصود ہی نہیں جانا۔ جو لوگ اس جماعت میں داخل ہیں۔ اگر وہ عام لوگوں کے سے اخلاق، مروت اور ہمدردی برتتے ہیں تو اُن میں اور دوسرے لوگوں سے کیا فرق ہوا؟ شریر کی شرارت کو شریر کے حوالہ کرو۔ اور اپنے نیک جوہر دکھاؤ۔ تب تمیز ہو گی۔ دنیاوی تنازعات کے وقت مالی نقصان برداشت کرنے اور

جور نفس سے کام لینے کے سوا چارہ نہیں ہوا کرتا اور نہ انسان کو ہمیشہ اس قسم کے مواقع ہاتھ آتے ہیں کہ وہ فطرت کے یہ نیک جوہر دکھاسکے۔اس لیے اگر کوئی ایسا موقعہ ہاتھ آجاوے تو اُسے غنیمت خیال کرنا چاہیے۔"

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 92 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

کارِ خیر	نیک کام	روا	درست، بجا، مناسب
جور	ظلم		

درس روحانی خزائن نمبر60

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

رُسول کریم ﷺ کے اخلاقِ عالیہ: ’’سب سے اکمل نمونہ اور نظیر آنحضرت ﷺ ہیں جو جمیع اخلاق میں کامل تھے۔ اسی لئے آپؐ کی شان میں فرمایا: اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ (القلم:5) ایک وقت ہے کہ آپؐ فصاحت بیانی سے ایک گروہ کو تصویر کی صورت حیران کررہے ہیں۔ ایک وقت آتا ہے کہ تیر و تلوار کے میدان میں بڑھ کر شجاعت دکھاتے ہیں۔ سخاوت پر آتے ہیں، تو سونے کے پہاڑ بخشتے ہیں۔ حلم میں اپنی شان دکھاتے ہیں، تو واجب القتل کو چھوڑ دیتے ہیں۔ الغرض رسول اللہ ﷺ کا بے نظیر اور کامل نمونہ ہے۔ جو خدا تعالیٰ نے دکھا دیا ہے۔ اس کی مثال ایک بڑے عظیم الشان درخت کی ہے۔ جس کے سایہ میں بیٹھ کر انسان اس کے ہر جزو سے اپنی ضرورتوں کو پورا کرلے۔ اس کا پھل اس کا پھول اور اس کی چھال، اس کے پتے۔ غرض کہ ہر چیز مفید ہو۔ آنحضرت ﷺ اس عظیم الشان درخت کی مثال ہیں۔ جس کا سایہ ایسا ہے کہ کروڑہا مخلوق اس میں مرغی کے پَروں کی طرح آرام اور پناہ لیتی ہے۔ لڑائی میں سب سے بہادر وُہ سمجھا جاتا تھا جو آنحضرت ﷺ کے پاس ہوتا تھا، کیونکہ آپؐ بڑے خطرناک مقام میں ہوتے تھے۔ سبحان اللہ! کیا شان ہے۔ اُحد میں دیکھو کہ تلواروں پر تلواریں پڑتی ہیں۔ ایسی گھمسان کی جنگ ہو رہی ہے کہ صحابہؓ برداشت نہیں کرسکتے مگر یہ مردِ میدان سینہ سپر ہو کر لڑ رہا ہے اس میں صحابہؓ کا قصور نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کو بخش دیا، بلکہ اس میں بھید یہ تھا کہ تا رسول اللہ ﷺ کی شجاعت کا نمونہ دکھایا جاوے۔ ایک موقع پر تلوار پر تلوار پڑتی تھی اور آپؐ نبوت کا دعویٰ کرتے تھے کہ محمد رسول اللہ مَیں ہوں۔ کہتے ہیں حضرتؐ کی پیشانی پر ستر زخم لگے۔ مگر زخم خفیف تھے، یہ خُلقِ عظیم تھا۔

ایک وقت آتا ہے کہ آپؐ کے پاس اس قدر بھیڑ بکریاں تھی کہ قیصر و کسریٰ کے پاس بھی نہ ہوں۔ آپؐ نے وُہ سب ایک سائل کو بخش دیں۔ اب اگر پاس نہ ہوتا تو کیا بخشتے۔

اگر حکومت کا رنگ نہ ہوتا، تو یہ کیونکر ثابت ہوتا کہ آپؐ واجب القتل کفارِ مکہ کو باوجود **مقدرت انتقام** کے بخش سکتے ہیں۔ جنہوں نے صحابہ کرامؓ اور حضور علیہ الصلوۃ والسلام اور مُسلمان عورتوں کو سخت سے سخت اذیتیں اور تکلیفیں دی تھیں۔ جب وہ سامنے آئے تو آپؐ نے فرمایا: لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف:93) مَیں نے آج تم کو بخش دیا۔ اگر ایسا موقع نہ ملتا تو ایسے اخلاقِ فاضلہ حضورؐ کے کیونکر ظاہر ہوتے۔ یہ شان آپؐ کی اور صرف آپؐ کی ہی تھی۔ کوئی ایسا خُلق بتلاؤ جو آپؐ میں نہ ہو اور پھر **بدرجۂ غایت** کامِل طور پر نہ ہو۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 84، 85 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

فصاحت کلامی	خوش کلامی	سینہ سپر	سینہ تان کر
مقدرت انتقام	بدلہ لینے کی طاقت	بدرجۂ غایت	پوری طرح، مکمل طور پر

درس روحانی خزائن نمبر 61

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

قول و فعل میں مطابقت: ''اللہ کا خوف اسی میں ہے کہ انسان دیکھے کہ اس کا قول و فعل کہاں تک ایک دوسرے سے مطابقت رکھتا ہے۔ پھر جب دیکھے کہ اس کو قول و فعل برابر نہیں تو سمجھ لے کہ مورد غضب الٰہی ہوگا۔ جو دل ناپاک ہے خواہ قول کتنا ہی پاک ہو وہ دل خدا کی نگاہ میں قیمت نہیں پاتا بلکہ خدا کا غضب مشتعل ہوگا۔ پس میری جماعت سمجھ لے کہ وہ میرے پاس آئے ہیں اسی لئے کہ تخم ریزی کی جاوے جس سے وہ پھل دار درخت ہو جائے پس ہر ایک اپنے اندر غور کرے کہ اس کا اندرونہ کیسا ہے؟ اور اس کی باطنی حالت کیسی ہے؟ اگر ہماری جماعت بھی خدانخواستہ ایسی ہے کہ اس کی زبان پر کچھ ہے اور دل میں کچھ ہے تو پھر خاتمہ بالخیر نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ جب دیکھتا ہے کہ ایک جماعت جو دل سے خالی ہے۔ اور زبانی دعوے کرتی ہے۔ وہ غنی ہے۔ وہ پرواہ نہیں کرتا۔ بدر کی فتح کی پیش گوئی ہو چکی تھی، ہر طرح فتح کی امید تھی، لیکن پھر بھی آنحضرت ﷺ رو رو کو دعا مانگتے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ جب ہر طرح کا فتح کا وعدہ ہے، تو پھر ضرورت **الحاح** کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ وہ ذات غنی ہے، یعنی ممکن ہے کہ وعدہ الٰہی میں کوئی مخفی شرائط ہوں۔

برکات تقویٰ: پس ہمیشہ دیکھنا چاہیے کہ ہم نے تقویٰ و طہارت میں کہاں تک ترقی کی ہے۔ اس کا معیار قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے متقی کے نشانوں میں ایک یہ بھی نشان رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی کو مکروہات دنیا سے آزاد کر کے اس کے کاموں کا خود کفیل ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ فرمایا: وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:3،4) جو شخص خدا تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک مصیبت میں اس کے لئے راستہ **مخلصی** کا نکال دیتا ہے اور اس کے لئے ایسے روزی کے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے علم و گمان میں نہ ہوں، یعنی یہ بھی ایک علامت متقی کی ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی کو **نابکار** ضرورتوں کا محتاج نہیں کرتا۔ مثلاً ایک دکان دار یہ خیال کرتا ہے کہ **دروغ گوئی** کے سوا اس کا کام ہی نہیں چل سکتا، اس لئے وہ دروغگوئی سے باز نہیں آتا اور جھوٹ بولنے کے لئے وہ مجبوری ظاہر کرتا ہے، لیکن یہ امر ہرگز سچ نہیں۔

خدا تعالیٰ متقی کا خود محافظ ہو جاتا ہے اور اسے ایسے مواقع سے بچالیتا ہے جو خلاف حق پر مجبور کرنے والے ہوں۔ یادرکھو جب اللہ تعالیٰ کو کسی نے چھوڑا، تو خدا نے اسے چھوڑ دیا۔ جب رحمان نے چھوڑ دیا، تو ضرور شیطان اپنا رشتہ جوڑے گا۔ یہ نہ سمجھو کہ اللہ تعالیٰ کمزور ہے۔ وہ بڑی طاقت والا ہے۔ جب اس پر کسی امر میں بھروسہ کروگے وہ ضرور تمہاری مدد کرے گا وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ(الطلاق:4) لیکن جو لوگ ان آیات کے پہلے مخاطب تھے، وہ اہل دین تھے۔ ان کی ساری فکریں محض دینی امور کے لئے تھیں اور دنیوی امور حوالہ بخدا تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ غرض برکات تقویٰ میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ متقی کو ان مصائب سے مخلصی بخشتا ہے جو دینی امور میں حارج ہوں۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 8 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

الحاح	گڑگڑانا، زاری کرنا	مخلصی	بچ نکلنے کی راہ
نابکار	بے کار، بے فائدہ، جو کسی کے کام میں نہ آئے	دروغ گوئی	جھوٹ
حارج	روکنے والے، مزاحم		

درس روحانی خزائن نمبر62

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"حدیث میں آیا ہے۔ اگر فضل نہ ہوتا، تو نجات نہ ہوتی۔ ایسا ہی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آپؐ سے سوال کیا کہ یا حضرت! کیا آپؐ کا بھی یہی حال ہے۔ آپؐ نے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا: ہاں۔ نادان اور احمق عیسائیوں نے اپنی نافہمی اور ناواقفی کی وجہ سے اعتراض کیے ہیں، لیکن وُہ نہیں سمجھتے کہ یہ آپؐ کی کمال عبودیت کا اظہار تھا جو خدا تعالیٰ کی ربوبیت کو جذب کر رہا تھا۔ ہم نے خود تجربہ کر کے دیکھا ہے اور متعدد مرتبہ آزمایا ہے، بلکہ ہمیشہ دیکھتے ہیں کہ جب انکسار اور تذلل کی حالت انتہا کو پہنچتی ہے اور ہماری رُوح اس عُبودیت اور **فروتنی** میں بہہ نکلتی ہے اور آستانہِ حضرت **واہب العطایا** پر پہنچ جاتی ہے تو ایک روشنی اور نور اوپر سے اترتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک نالی کے ذریعے سے **مُصَفا** پانی دُوسری نالی میں پہنچتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے انوار وبرکات: پس آنحضرت ﷺ کی حالت جس قدر بعض مقامات پر فروتنی اور انکساری میں کمال پر پہنچی ہوئی نظر آتی ہے۔ وہاں معلوم ہوتا ہے کہ اسی قدر آپؐ رُوح القدس کی تائید اور روشنی سے مؤیدّ اور منور ہیں۔ جیسا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ نے عملی اور فعلی حالت سے دکھایا ہے یہاں تک کہ آپؐ کے انوار وبرکات کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ ابد الآباد تک اس کا نمونہ اور ظل نظر آتا ہے، چنانچہ اس زمانہ میں بھی جو کچھ خدا تعالیٰ کا فیض اور فضل نازل ہو رہا ہے، وہ آپؐ ہی کی اطاعت اور آپؐ ہی کی اتباع سے ملتا ہے۔ مَیں سچ کہتا ہوں اور اپنے تجربہ سے کہتا ہوں کہ کوئی شخص حقیقی نیکی کرنے والا اور خدا تعالیٰ کی رضا کو پانے والا نہیں ٹھہر سکتا اور ان انعام و برکات اور معارف اور حقائق اور کشوف سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا، جو اعلیٰ درجہ کے تزکیۂ نفس پر ملتے ہیں۔ جب تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں کھویا نہ جائے اور اس کا ثبوت خود خدا تعالیٰ کے کلام سے ملتا ہے: **قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ** (آل عمران:32) اور خدا تعالیٰ کے اس دعویٰ کی عملی اور زندہ دلیل مَیں ہوں۔ ان نشانات کے ساتھ جو خدا تعالیٰ کے محبوبوں اور ولیوں کے قرآن

شریف میں مقرر ہیں مجھے شناخت کرو۔ غرض نبی کریم ﷺ کے اخلاق کا کمال یہا تک ہے کہ اگر کوئی بڑھیا بھی آپؐ کا ہاتھ پکڑتی تھی تو آپؐ کھڑے ہو جاتے اور اس کی باتوں کو نہایت توجہ سے سُنتے اور جب تک وہ خود آپؐ کو نہ چھوڑتی۔ آپؐ نہ چھوڑتے تھے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 131، 132 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

فروتنی	عاجزی	**واہب العطایا**	نعمتیں دینے والی ذات
مُصَفّٰا	صاف شفاف		

درس روحانی خزائن نمبر 63

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**ترقیات کی دوراہیں: سلوک:** صوفیوں نے ترقیات کی دوراہیں لکھی ہیں ایک سلوک دوسرا جذب۔

سلوک وہ ہے جو لوگ آپ عقلمندی سے سوچ کر اللہ ورسول ﷺ کی راہ اختیار کرتے ہیں جیسے فرمایا: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران:32) یعنی اگر تم اللہ کے پیارے بننا چاہتے ہو، تو رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرو۔ وہ ہادی کامل وہی رسول ہیں جنہوں نے وہ مصائب اٹھائیں کہ دنیا اپنے اندر نظیر نہیں رکھتی۔ ایک دن بھی آرام نہ پایا۔ اب پیروی کرنے والے بھی حقیقی طور سے وہی ہوں گے۔ جو اپنے **متبوع** کے ہر قول و فعل کی پیروی پوری جدوجہد سے کریں۔ متبع وہی ہے جو سب طرح پیروی کرے گا۔ سہل انگار اور سخت گزار کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا، بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے غضب میں آوے گا۔ یہاں جو اللہ تعالی نے رسول اکرم ﷺ کی پیروی کا حکم دیا تو سالک کا کام یہ ہونا چاہیے کہ اول رسول اکرم ﷺ کی مکمل تاریخ دیکھے اور پھر پیروی کرے۔ اسی کا نام سلوک ہے۔ اس راہ میں بہت مصائب و شدائد ہوتے ہیں ان سب کو اٹھانے کے بعد ہی انسان **سالک** ہوتا ہے۔

جذب: اہل جذب کا درجہ سالکوں سے بڑھا ہوا ہے۔ اللہ تعالی انہیں سلوک کے درجہ پر ہی نہیں رکھتا، بلکہ خود اُن کو مصائب میں ڈالتا اور جاذبۂ ازلی سے اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کُل انبیاء مجذوب ہی تھے۔ جس وقت انسانی روح کو مصائب کا مقابلہ ہوتا ہے۔ ان سے فرسودہ کار اور تجربہ کار ہو کر روح چمک اٹھتی ہے۔ جیسے کہ لوہا یا شیشہ اگرچہ چمک کا مادہ اپنے اندر رکھتا ہے۔ لیکن **صیقلوں** کے بعد ہی **مُجلّٰی** ہوتا ہے، حتی کہ اس میں منہ دیکھنے والے کا منہ نظر آجاتا ہے۔ مجاہدات بھی صقیل کا ہی کام کرتے ہیں۔ دل کا صقیل یہاں تک ہونا چاہیے کہ اس میں سے بھی منہ نظر آجاوے۔ منہ کا نظر آنا کیا ہے؟ تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللّٰهِ کا مصداق ہونا۔ سالک کا دل آئینہ ہے جس کو مصائب و شدائد اس قدر صقیل کر دیتے ہیں کہ اخلاق النبیؐ اس

میں منعکس ہو جاتے ہیں اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب بہت مجاہدات اور تزکیوں کے بعد اس کے اندر کسی قسم کی **کدورت یا کثافت** نہ رہے تب یہ درجہ نصیب ہوتا ہے۔ ہر ایک مومن کو ایک حد تک ایسی صفائی کی ضرورت ہے۔ کوئی مومن بلا آئینہ ہونے کے نجات نہ پائیگا۔ سلوک والا خود یہ صقیل کرتا ہے، اپنے کام سے مصائب اٹھاتا ہے ، لیکن جذب والا مصائب میں ڈالا جاتا ہے۔ خدا خود اس کا مصقِّل ہوتا ہے اور طرح طرح کے مصائب وشدائد سے صیقل کر کے اس کو آئینہ کا درجہ عطا کر دیتا ہے۔ دراصل سالک و مجذوب دونوں کا ایک ہی نتیجہ ہے سو متقی کے دو حصے ہیں۔ سلوک وجذب۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 17، 18 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

مستبوع	جس کی پیروی کی جائے	**سالک**	راہ چلنے والا عابد، زاہد، صوفی
صیقلوں	صفائیوں کے بعد جلا کر صاف کرنا	**مجلّٰی**	روشن، چمکدار
کدورت	کینہ، دشمنی، گند	**کثافت**	میلا پن، گندگی

درس روحانی خزائن نمبر64

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام بیان کرتے ہیں:۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا مقامِ صدیقیت: "اگر گذشتہ زمانہ میں اس کی نظیر دیکھی جائے تو پھر یوسفؑ صدیق ہے۔ جس نے ایسا صدق دکھایا کہ یوسفؑ صدیق کہلایا۔ ایک خوبصورت، معزز اور جوان عورت جو بڑے بڑے دعوے کرتی ہے، عین تنہائی اور تخلیہ میں ارتکابِ فعل بد چاہتی ہے، لیکن آفرین ہے اس صدیق پر کہ خدا تعالیٰ کے حدود کو توڑنا پسند نہ کیا اور اس کے بالمقابل ہر قسم کی آفت اور دُکھ اُٹھانے کو آمادہ ہو گیا۔ یہاں تک کہ قیدی کی زندگی بسر کرنی منظور کرلی، چنانچہ کہا: رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ (یوسف:34) یعنی یوسف علیہ السلام نے دعا کی کہ اے رب مجھ کو قید پسند ہے اس بات سے جس کی طرف وہ مجھے بلاتی ہے۔

اس سے حضرت یوسفؑ کی پاک فطرت اور غیرت نبوت کا کیسا پتہ لگتا ہے کہ دوسرے امر کا ذکر تک نہیں کیا۔ کیا مطلب کہ اُس کا نام نہیں لیا۔ یوسفؑ اللہ تعالیٰ کے حُسن واحسان کے گرویدہ اور عاشقِ زار تھے۔ اُن کی نظر میں اپنے محبوب کے سوا دوسری کوئی بات جچ نہ سکتی تھی۔ وُہ ہرگز پسند نہ کرتے تھے کہ حدُود اللہ کو توڑیں۔ کہتے ہیں کہ ایک لمبا زمانہ جو بارہ برس کے قریب بتایا جاتا ہے، وُہ جیل میں رہے۔ لیکن اس عرصہ میں کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ آیا۔ اللہ تعالیٰ اور اُس کی تقدیر پر پورے راضی رہے۔ اس عرصہ میں بادشاہ کو کوئی عرضی بھی نہیں دی کہ اُن کے معاملہ کو سوچا جائے یا اُنہیں رہائی دی جائے۔ بلکہ کہا جاتا ہے کہ اس خود غرض عورت نے تکالیف کا سلسلہ بڑھا دیا۔ کہ کسی طرح پر وہ پھسل جاویں، مگر اس صدیق نے اپنا صدق نہ چھوڑا۔ خدا نے ان کو صدیق ٹھہرایا۔ یہ بھی صدق کا ایک مقام ہے کہ دُنیا کی کوئی آفت، کوئی تکلیف اور کوئی ذلت اُسے حدود اللہ کے توڑنے پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ جس قدر بلائیں بڑھتی جاویں، وہ اُس کے مقام صدق کو زیادہ مضبوط اور لذیذ بناتی جاتی ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جیسا کہ مَیں بیان کر چکا ہوں کہ جب انسان اِیَّاكَ نَعْبُدُ کہہ کر صدق

اور وفاداری کے ساتھ قدم اُٹھاتا ہے، تو خدا تعالیٰ ایک بڑی نہر صدق کی کھول دیتا ہے جو اس کے قلب پر آ گرتی ہے اور اُسے صدق سے بھر دیتی ہے وہ اپنی طرف سے **بِضَاعَةِ مُزْجَاۃ** لاتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کی **گراں قدر** جنس اُسے عطا کرتا ہے اس سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ اس مقام میں انسان یہاں تک قدم مارتا ہے کہ وُہ صدق اس کے لیے ایک **خارق عادت** نشان ہو جاتا ہے۔ اس پر اس قدر معارف اور حقائق کا دریا کھلتا ہے یعنی قوت دی جاتی ہے کہ ہر شخص کی طاقت نہیں ہے کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 253 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

تخلیہ	علیحدگی	بضاعۃ مزجاۃ	حقیر جمع پونجی
گراں قدر	بیش قیمت، قیمتی	خارق عادت	معجزانہ

درس روحانی خزائن نمبر 65

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

اقامت صلوۃ:"اس کے بعد متقی کی شان میں آیا ہے وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ (البقرۃ:4) یعنی وہ نماز کو کھڑی کرتا ہے۔ یہاں لفظ کھڑی کرنے کا آیا ہے۔ یہ بھی اس تکلف کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جو متقی کا خاصہ ہے۔

یعنی جب وہ نماز شروع کرتا ہے۔ تو طرح طرح کے **وساوس** کا اسے مقابلہ ہوتا ہے جن کے باعث اس کی نماز گویا بار بار گری پڑتی ہے، جس کو اس نے کھڑا کرنا ہے جب اس نے اَللّٰہُ اَکۡبَرُ کہا تو ایک ہجوم وساوس ہے جو اس کے حضور قلب میں **تفرق** ڈال رہا ہے۔ وہ ان سے کہیں کا کہیں پہنچ جاتا ہے۔ پریشان ہوتا ہے۔ ہر چند حضور و ذوق کے لئے لڑتا مرتا ہے، لیکن نماز جو گری پڑتی ہے، بڑی **جان کنی** سے اسے کھڑا کرنے کی فکر میں ہے۔ بار بار اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ کہہ کر نماز کے قائم کرنے کے لئے دعا مانگتا ہے اور ایسے الصراط المستقیم کی ہدایت چاہتا ہے جس سے اس کی نماز کھڑی ہو جائے۔ ان وساوس کے مقابل میں متقی ایک بچہ کی طرح ہے، جو خدا کے آگے گڑگڑاتا ہے۔ روتا ہے اور کہتا ہے کہ میں **اَخۡلَدَ اِلَی الۡاَرۡضِ** (الاعراف:177) ہو رہا ہوں۔ سو یہی وہ جنگ ہے جو متقی کو نماز میں نفس کے ساتھ کرنی ہوتی ہے اور اسی پر ثواب **مترتب** ہو گا۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو نماز میں وساوس کو فی الفور دور کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ کی منشاء کچھ اور ہے کیا خدا نہیں جانتا؟ حضرت شیخ عبد القادر گیلانی (رحمۃ اللہ علیہ) کا قول ہے کہ ثواب اس وقت تک جب تک مجاہدات ہیں اور جب **مجاہدات** ختم ہوئے، تو ثواب **ساقط** ہو جاتا ہے۔ گویا صوم و صلوٰۃ اس وقت تک اعمال ہیں جب تک ایک جدوجہد سے وساوس کا مقابلہ ہے، لیکن جب ان میں ایک اعلیٰ درجہ پیدا ہو گیا اور صاحب صوم و صلوۃ تقویٰ کے تکلف سے بچ کر صلاحیت سے رنگین ہو گیا، تو اب صوم و صلوٰۃ اعمال نہیں رہے۔ اس موقع پر انہوں نے سوال کیا کہ کیا اب نماز معاف ہو جاتی ہے؟ کیونکہ ثواب تو اس وقت تھا جس وقت

تک **تکلف** کرنا پڑتا تھا۔ سو بات یہ ہے کہ نماز اب عمل نہیں بلکہ ایک انعام ہے۔ یہ نماز اس کی ایک غذا ہے، جو اس کے لئے **قُرَّةُ الْعَیْنِ** ہے۔ یہ گویا نقد بہشت ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 18، 19 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

وساوس	شکوک وشبہات	تفرق	علیحدگی، الگ ہونا
جان کنی	جان نکلنا	اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ	زمین / دنیا کی طرف جھکا ہوا
مترتب	ترتیب دیا ہوا، درست کیا ہوا	مجاہدات	ریاضتیں
ساقط	گرا ہوا، رد کیا ہوا	تکلف	بناوٹ
قُرَّةُ الْعَیْنِ	آنکھوں کی ٹھنڈک		

درس روحانی خزائن نمبر66

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"میں تمام مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں اور آریوں پر یہ بات ظاہر کرتا ہوں کہ دنیا میں کوئی میرا دشمن نہیں ہے۔ میں بنی نوع سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ جیسے والدہ مہربان اپنے بچوں سے بلکہ اس سے بڑھ کر۔ میں صرف ان باطل عقائد کا دشمن ہوں جن سے سچائی کا خون ہوتا ہے۔ انسان کی ہمدردی میرا فرض ہے اور جھوٹ اور شرک اور ظلم اور ہر ایک بدعملی اور ناانصافی اور بداخلاقی سے بیزاری میرا اصول۔

میری ہمدردی کے جوش کا اصل **محرک** یہ ہے کہ میں نے ایک سونے کی کان نکالی ہے اور مجھے جواہرات کے **معدن** پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اُس کان سے ملا ہے اور اس کی اس قدر قیمت ہے کہ اگر مَیں اپنے ان تمام بنی نوع بھائیوں میں وہ قیمت تقسیم کروں تو سب کے سب اس شخص سے زیادہ دولتمند ہو جائیں گے جس کے پاس آج دنیا میں سب سے بڑھ کر سونا اور چاندی ہے۔ وہ ہیرا کیا ہے؟ سچا خدا۔ اور اس کو حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچاننا۔ اور سچا ایمان اس پر لانا اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا پس اس قدر دولت پا کر سخت ظلم ہے کہ میں بنی نوع کو اس سے محروم رکھوں اور وہ بھوکے مریں اور میں عیش کروں۔ یہ مجھ سے ہرگز نہیں ہوگا۔ میرا دل ان کے فقر وفاقہ کو دیکھ کر کباب ہو جاتا ہے۔ ان کی تاریکی اور تنگ گذرانی پر میری جان گھٹتی جاتی ہے۔ مَیں چاہتا ہوں کہ آسمانی مال سے اُن کے گھر بھر جائیں اور سچائی اور یقین کے **جواہر** ان کو اتنے ملیں کہ اُن کے **دامن استعداد** پُر ہو جائیں۔"

(اربعین نمبر1 روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 344، 345)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

محرک	تحریک کرنے والا، باعث	معدن	دفینہ، خزانہ
جواہر	موتی	دامن استعداد	طاقت اور ہمت کی جھولی

درس روحانی خزائن نمبر 67

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

”**سچا مذہب انسانی قویٰ کا مربی ہوتا ہے:** ایسا ہی جو لوگ انتقام، غضب یا نکاح کو ہر حال میں برا مانتے ہیں، وہ بھی صحیفہ قدرت کے مخالف ہیں اور قویٰ انسانی کا مقابلہ کرتے ہیں۔ سچا مذہب وہی ہے جو انسانی قویٰ کا مربی ہو، نہ کہ ان کا **استیصال** کرے۔ **رجولیت** یا غضب جو خدا تعالیٰ کی طرف سے فطرت انسانی میں رکھے گئے ہیں۔ ان کو چھوڑنا خدا کا مقابلہ کرنا ہے۔ جیسے **تارک الدنیا** ہونا یا **راہب** بن جانا۔ یہ تمام امور حق العباد کو تلف کرنے والے ہیں۔ اگر یہ امر ایسا ہی ہوتا تو گویا اس خدا پر اعتراض ہے جس نے یہ قویٰ ہم میں پیدا کیے...... پس ایسی تعلیمات جو انجیل میں ہیں اور جن سے قویٰ کا استیصال لازم آتا ہے، ضلالت تک پہنچاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو اس کو تعدیل کا حکم دیتا ہے۔ ضائع کرنا پسند نہیں کرتا۔ جیسے فرمایا اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل:91) عدل ایک ایسی چیز ہے، جس سے سب کو فائدہ اٹھانا چاہیے۔

حضرت مسیحؑ کا یہ تعلیم دینا کہ اگر تو بری آنکھ سے دیکھے، تو آنکھ نکال ڈال اس میں بھی قویٰ کا استیصال ہے، کیونکہ ایسی تعلیم نہ دی کہ تو غیر محرم عورت کو ہر گز نہ دیکھ، مگر بر خلاف اس کی اجازت دی کہ دیکھ تو ضرور، لیکن زنا کی آنکھ سے نہ دیکھ۔ دیکھنے سے تو ممانعت ہے ہی نہیں۔ دیکھے گا تو ضرور، بعد دیکھنے کے دیکھنا چاہیے کہ اس کے قویٰ پر کیا اثر ہو گا۔ کیوں نہ قرآن شریف کی طرح آنکھ کو ٹھوکر والی چیز ہی کے دیکھنے سے روکا۔ اور آنکھ جیسی مفید اور قیمتی چیز کو ضائع کر دینے کا افسوس لگایا۔

اسلامی پردہ: آجکل پردہ پر حملے کیے جاتے ہیں۔ لیکن یہ لوگ نہیں جانتے کہ اسلامی پردہ سے مراد زنداں نہیں، بلکہ ایک قسم کی روک ہے کہ غیر مرد اور عورت ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے۔ جب پردہ ہو گا، ٹھوکر سے بچیں گے۔ ایک منصف مزاج کہہ سکتا ہے کہ ایسے لوگوں میں جہاں غیر مرد و عورت اکٹھے **بلا تامل** اور **بے محابا** مل سکیں، سیریں کریں۔ کیونکر جذبات نفس سے اضطراراً ٹھوکر نہ کھائیں گے۔

بسا اوقات سننے اور دیکھنے میں آیا ہے کہ ایسی قومیں غیر مرد اور عورت کے ایک مکان میں تنہا رہنے کو حالانکہ دروازہ بھی بند ہو۔ کوئی عیب نہیں سمجھتیں۔ یہ گویا تہذیب ہے، انہی بد نتائج کو روکنے کے لئے **شارع اسلام** نے وہ باتیں کرنے کی اجازت ہی نہ دی۔ جو کسی کی ٹھوکر کا باعث ہوں۔ ایسے موقع پر یہ کہہ دیا کہ جہاں اس طرح غیر محرم مرد و عورت ہر دو جمع ہوں۔ تیسرا ان میں شیطان ہوتا ہے۔ ان ناپاک نتائج پر غور کرو۔ جو یورپ اس **خلیع الرسن** تعلیم سے بھگت رہا ہے۔ بعض جگہ بالکل قابل شرم طوائفانہ زندگی بسر کی جارہی ہے۔ یہ انہی تعلیمات کا نتیجہ ہے اگر کسی چیز کو خیانت سے بچانا چاہتے ہو تو حفاظت کرو۔ لیکن اگر حفاظت نہ کرو۔ اور یہ سمجھ رکھو کہ بھلے مانس لوگ ہیں، تو یاد رکھو کہ ضرور وہ چیز تباہ ہو گی۔ اسلامی تعلیم کیسی پاکیزہ تعلیم ہے کہ جس نے مرد عورت کو الگ رکھ کر ٹھوکر سے بچایا اور انسان کی زندگی حرام اور تلخ نہیں کی جس کے باعث یورپ نے آئے دن کی خانہ جنگیاں اور خودکشیاں دیکھیں۔ بعض شریف عورتوں کا طوائفانہ زندگی بسر کرنا ایک عملی نتیجہ اس اجازت کا ہے جو غیر عورت کو دیکھنے کے لئے دی گئی۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 21، 22 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

مربی	تربیت کرنے والا	استیصال	تباہ کرنا، قلع قمع کرنا
رجولیت	مردانگی	تارک الدنیا	دنیا کو چھوڑنا
راہب	تارک الدنیا	بلا تامل	بغیر سوچے سمجھے
بے محابا	بلا جھجک، بلا تکلف	شارع اسلام	شریعتِ اسلام لانے والے مراد حضرت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم
خلیع الرسن	ہر قسم کی پابندی سے آزاد		

درس روحانی خزائن نمبر68

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**انسانی قویٰ کی تعدیل اور جائز استعمال:** اللہ تعالیٰ نے جس قدر قویٰ عطا فرمائے، وہ ضائع کرنے کے لیے نہیں دیئے گئے ان کی **تعدیل** اور جائز استعمال کرنا ہی ان کی نشوونما ہے۔ اسی لیے اسلام نے **قوائے رجولیت** یا آنکھ کے نکالنے کی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ ان کا جائز استعمال اور تزکیہ نفس کرایا۔

جیسے فرمایا **قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ** (المومنون:2) اور ایسے ہی یہاں بھی فرمایا: **متقی** کی زندگی کا نقشہ کھینچ کر آخر میں بطور نتیجہ یہ کہا۔ **وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ** (البقرہ:6) یعنی وہ لوگ جو تقویٰ پر قدم مارتے ہیں۔ ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ نماز ڈگمگاتی ہے۔ پھر اسے کھڑا کرتے ہیں۔ خدا کے دیئے ہوئے سے دیتے ہیں۔ باوجود خطرات نفس بلا سوچے، گزشتہ اور موجودہ کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور آخر کار وہ یقین تک پہنچ جاتے ہیں۔ وہ لوگ ہیں جو ہدایت کے سر پر ہیں۔ وہ ایک ایسی سڑک پر ہیں جو برابر آگے کو جارہی ہے اور جس سے آدمی فلاح تک پہنچتا ہے۔ پس یہی لوگ فلاح یاب ہیں جو منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے اور راہ کے خطرات سے نجات پاچکے ہیں، اس لیے شروع میں ہی اللہ تعالی نے ہمیں تقویٰ کی تعلیم دے کر ایک کتاب ہم کو عطا کی۔ جس میں تقویٰ کے وصایا بھی دیئے۔ سو ہماری جماعت یہ غم کل دنیوی غموں سے بڑھ کر اپنی جان پر لگائے کہ ان میں تقویٰ ہے یا نہیں۔

اپنی زندگی غربت اور مسکینی میں بسر کرو: اہل تقویٰ کے لیے یہ شرط ہے کہ وہ اپنی زندگی غربت اور مسکینی میں بسر کریں۔ یہ تقویٰ کے ایک شاخ ہے، جس کے ذریعہ سے ہمیں ناجائز غضب کا مقابلہ کرنا ہے، بڑے بڑے عارف اور صدیقوں کے لیے آخری اور کڑی منزل غضب سے بچنا ہی ہے۔ **عُجب و پندار** غضب سے پیدا ہوتا ہے اور ایسا ہی کبھی خود غضب عُجب و پندار کا نتیجہ ہوتا ہے، کیونکہ غضب اس وقت ہوگا۔ جب انسان اپنے نفس کو دوسرے پر ترجیح دیتا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری جماعت والے آپس میں ایک دوسرے کو چھوٹا یا بڑا

سمجھیں، یا ایک دوسرے پر غرور کریں یا نظر **استخفاف** سے دیکھیں۔ خدا جانتا ہے کہ بڑا کون ہے۔ یا چھوٹا کون ہے۔ یہ ایک قسم کی تحقیر ہے۔ جس کے اندر حقارت ہے ڈر ہے کہ یہ حقارت بیج کی طرح بڑھے اور اس کی ہلاکت کا باعث ہو جائے۔ بعض آدمی بڑوں کو مل کر بڑے ادب سے پیش آتے ہیں۔ لیکن بڑا وہ ہے جو مسکین کی بات کو مسکینی سے سنے۔ اس کی دلجوئی کرے۔ اس کی بات کی عزت کرے۔ کوئی چڑ کی بات منہ پر نہ لاوے کہ جس سے دکھ پہنچے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ (الحجرات:12) تم ایک دوسرے کا چڑ کے نام نہ لو۔ یہ فعل **فساق وفجار** کا ہے۔ جو شخص کسی کو چڑاتا ہے، وہ نہ مرے گا۔ جبتک وہ خود اسی طرح مبتلا نہ ہو گا۔ اپنے بھائیوں کو حقیر نہ سمجھو۔ جب ایک ہی چشمہ سے کل پانی پیتے ہو، تو کون جانتا ہے کہ کس کی قسمت میں زیادہ پانی پینا ہے۔ مکرم و معظم کوئی دنیاوی اصولوں سے نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا وہ ہے جو متقی ہے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (الحجرات:14)

ذاتوں کا امتیاز: یہ جو مختلف ذاتیں ہیں۔ یہ کوئی وجہ شرافت نہیں۔ خدا تعالیٰ نے محض **عُرف** کے لیے یہ ذاتیں بنائیں اور آج کل تو صرف بعد چار پشتوں کے حقیقی پتہ لگانا ہی مشکل ہے۔ متقی کی شان نہیں کہ ذاتوں کے جھگڑے میں پڑے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ میرے نزدیک ذات کی کوئی سند نہیں۔ حقیقی **مکرمت** اور عظمت کا باعث **فقط** تقویٰ ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 22، 23 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

تعدیل	درست استعمال، برمحل	قوائے رجولیت	مردانہ طاقتیں
قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ	یقیناً مومن کامیاب ہو گئے	وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں
عُجب وپندار	غرور و تکبر	استخفاف	حقارت
فساق وفجار	بد کردار، بد چلن	عُرف	جان پہچان
مَكْرِمَت	بڑائی، بزرگی	فقط	صرف

درس روحانی خزائن نمبر 69

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**متقی کون ہیں؟** خدا کے کلام سے پایا جاتا ہے کہ متقی وہ ہوتے ہیں جو حلیمی اور مسکینی سے چلتے ہیں۔ وہ مغرورانہ گفتگو نہیں کرتے۔ ان کی گفتگو ایسی ہوتی ہے جیسے چھوٹا بڑے سے گفتگو کرے۔ ہم کو ہر حال میں وہ کرنا چاہیئے۔ جس سے ہماری فلاح ہو۔ اللہ تعالیٰ کسی کا اجارہ دار نہیں۔ وہ خاص تقویٰ کو چاہتا ہے جو تقویٰ کریگا وہ مقام اعلیٰ کو پہنچے گا۔

آنحضرت ﷺ یا حضرت ابراہیم علیہ السلام میں سے کسی نے وراثت سے تو عزت نہیں پائی۔ گو ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت ﷺ کے والد ماجد عبد اللہ مشرک نہ تھے، لیکن اس نے نبوت تو نہیں دی۔ یہ تو فضل الٰہی تھا۔ ان صدقوں کے باعث جو ان کی فطرت میں تھے۔ یہی فضل کے محرک تھے حضرت ابراہیم علیہ اسلام جو ابو الانبیا تھے، انہوں نے اپنے صدق و تقویٰ سے ہی بیٹے کو قربان کرنے میں دریغ نہ کیا۔ خود آگ میں ڈالے گئے۔ ہمارے سید و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا ہی صدق و وفا دیکھئے۔ آپؐ نے ہر ایک قسم کی بد تحریک کا مقابلہ کیا۔ طرح طرح کے مصائب و تکالیف اٹھائے، لیکن پروانہ کی۔ یہی صدق و وفا تھا، جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے فضل کیا۔ اسی لیے تو اللہ تعالے نے فرمایا اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓىِٕكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (الاحزاب:57) ترجمہ: اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام فرشتے رسول پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو! تم درود و سلام بھیجو نبیؐ پر۔ اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے اعمال ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعریف یا **اوصاف** کی **تحدید** کرنے کے لئے کوئی لفظ خاص نہ فرمایا۔ لفظ تو مل سکتے تھے، لیکن خود استعمال نہ کیے۔ یعنی آپؐ کے اعمال صالحہ کی تعریف تحدید سے بیرون تھی۔ اس قسم کی آیت کسی اور نبی کی شان میں استعمال نہ کی۔ آپؐ کی روح میں وہ صدق و وفا تھا اور آپؐ کے اعمال خدا کی نگاہ میں اس قدر پسندیدہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ کے لئے یہ حکم دیا کہ آئندہ لوگ شکر گزاری کے طور پر درود بھیجیں۔ آپؐ کی ہمت و صدق وہ تھا کہ اگر ہم اوپر یا نیچے نگاہ

کریں تو اس کی نظیر نہیں ملتی۔ خود حضرت مسیحؑ کے وقت کو دیکھ لیا جاوے کہ ان کی ہمت یا روحانی صدق و وفا کا کہاں تک اثر ان کے پیروؤں پر ہوا۔ ہر ایک سمجھ سکتا ہے کہ ایک **بدروش** کو درست کرنا کس قدر مشکل ہے۔ **عادات راسخہ** کا گنوانا کیسا محالات سے ہے۔ لیکن ہمارے مقدس نبی آنحضرت ﷺ نے تو ہزاروں انسانوں کو درست کیا، جو حیوانوں سے بد تر تھے۔ بعض ماؤں اور بہنوں میں حیوانوں کی طرح فرق نہیں کرتے تھے، یتیموں کا مال کھاتے، مُردوں کا مال کھاتے، بعض ستارہ پرست، بعض دہریہ، بعض **عناصر پرست** تھے۔ جزیرہ عرب کیا تھا۔ ایک مجموعۂ مذاہب اپنے اندر رکھتا تھا۔

قرآن مجید کامل ہدایت ہے: اس سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قرآن کریم ہر ایک قسم کی تعلیم اپنے اندر رکھتا ہے۔ ہر ایک غلط عقیدہ یا بری تعلیم جو دنیا میں ممکن ہے، اس کے **استیصال** کے لئے کافی تعلیم اس میں موجود ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عمیق حکمت و تصرف ہے۔ چونکہ کامل کتاب نے آکر کامل اصلاح کرنی تھی۔ ضرور تھا کہ اس کے نزول کے وقت اس کے جائے نزول میں بیماری بھی کامل طور پر ہو۔ تاکہ ہر بیماری کا کامل علاج مہیا کیا جاوے۔ سو اس جزیرہ میں کامل طور سے بیمار (لوگ موجود) تھے اور جن میں وہ تمام روحانی بیماریاں موجود تھیں۔ جو اس وقت یا اس کے بعد آئندہ نسلوں کو لاحق ہونے والی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ قرآن شریف نے کل شریعت کی تکمیل کی۔ دوسری کتابوں کے نزول کے وقت نہ یہ ضرورت تھی نہ ان میں ایسی کامل تعلیم ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 23، 24 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

محرک	حرکت دینے والا، تحریک کرنیوالا، باعث	اوصاف	خوبیاں، خصائل
تحدید	حد مقرر کرنا	بدروش	بری عادت
عادات راسخہ	پختہ عادات	عناصر پرست	مختلف اشیاء کی پوجا کرنیوالے
استیصال	تباہ کرنا، قلع قمع کرنا		

درس روحانی خزائن نمبر70

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

آنحضرت ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کا مقام: ”جو صدق و وفا آپؐ نے اور آپؐ کے صحابہ کرامؓ نے دکھلایا اس کی **نظیر** کہیں نہیں ملتی۔ جان دینے تک سے دریغ نہ کیا۔ حضرت عیسیٰؑ کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا اور نہ ہی کوئی منکر الہام تھا۔ برادری کے چند لوگوں کو سمجھانا کونسا بڑا کام ہے۔ یہودی توریت تو پڑھے ہوئے تھے۔ اس پر ایمان رکھتے تھے۔ خدا کو وحدہ شریک جانتے ہی تھے۔ بعض وقت یہ خیال آجاتا ہے کہ حضرت مسیح کیا کرنے آئے تھے۔ یہودیوں میں تو توریت کے لئے اب بھی غیرت پائی جاتی ہے۔ نہایتِ کار یہ کہہ سکتے ہیں کہ شاید اخلاقی نقص یہود میں تھے۔ لیکن تعلیم تو توریت میں موجود ہی تھی۔ باوجود اس سہولت کے کہ قوم اس کتاب کو مانتی تھی۔ حضرت مسیحؑ نے وہ کتاب سبقاً سبقاً ایک استاد سے پڑھی تھی۔ اس کے مقابل ہمارے سید و مولیٰ ہادیٔ کامل **امّیؐ** تھے۔ آپؐ کا کوئی استاد نہ تھا اور یہ ایک واقعہ ہے کہ مخالف بھی اس امر سے انکار کر سکے۔ پس حضرت عیسیٰؑ کے لئے دو آسانیاں تھیں۔ ایک تو برادری کے لوگ تھے اور جو بھاری بات ان سے منوانی تھی، وہ پہلے ہی مان چکے تھے۔ ہاں کچھ اخلاقی نقص تھے، لیکن باوجود اتنی سہولت کے حواری بھی درست نہ ہوئے۔ لالچی رہے۔ حضرت عیسیٰؑ اپنے پاس روپیہ رکھتے تھے۔ بعض حواری چوریاں بھی کرتے تھے۔ چنانچہ وہ (حضرت مسیحؑ) کہتے ہیں۔ کہ مجھے سر رکھنے کی جگہ نہیں۔ لیکن ہم حیران ہیں کہ ایسا کہنے کے کیا معنی ہیں۔ جب گھر بھی ہو۔ مکان بھی ہو۔ اور مال میں گنجائش اس قدر کہ چوری کی جاوے۔ تو پتہ بھی نہ لگے۔ خیر یہ تو **جملہ معترضہ** تھا۔ دکھانا یہ منظور ہے کہ باوجود ان تمام سہولتوں کے کوئی اصلاح نہ ہو سکی۔ پطرس کو بہشت کی کنجیاں تو مل جاویں، لیکن وہ اپنے استاد کو لعنت دینے سے نہ رُک سکے۔

اب اس کے مقابلہ میں انصافاً دیکھا جاوے کہ ہمارے ہادیٔ اکملؐ کے صحابہؓ نے اپنے خدا اور رسولؐ کے لئے کیا کیا جان نثاریاں کیں، جلاوطن ہوئے، ظلم اٹھائے، طرح طرح کے

مصائب برداشت کیے، جانیں دیں۔ لیکن صدق و وفا کے ساتھ قدم مارتے ہی گئے۔ پس وہ کیا بات تھی کہ جس نے انہیں ایسا جان نثار بنا دیا۔ وہ سچی الٰہی محبت کا جوش تھا۔ جس کی شعاع ان کے دل میں پڑ چکی تھی، اس لئے خواہ کسی نبی کے ساتھ مقابلہ کر لیا جاوے۔ آپؐ کی تعلیم، تزکیہ نفس، اپنے پیروؤں کو دنیا سے متنفر کر ادینا۔ شجاعت کے ساتھ صداقت کے لئے خون بہادینا۔ اس کی نظیر کہیں نہ مل سکے گی۔ یہ مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ہے اور ان میں جو باہمی الفت و محبت تھی۔ اس کا نقشہ دو فقروں میں بیان فرمایا ہے وَ اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِہِمۡ (الانفال:64) یعنی جو **تالیف** ان میں ہے وہ ہرگز پیدا نہ ہوتی، خواہ سونے کا پہاڑ بھی دیا جاتا۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 26، 27 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

نظیر	مثال	اُمّی	ان پڑھ، ناخواندہ
جملہ معترضہ	بات کے درمیان میں بولا جانے والا وہ جملہ کسی امر یا وضاحت یا تحسین کلام یا دعا وغیرہ کے لیے آتا ہے اگر یہ فقرہ درمیان سے نکال دیا جائے تب بھی کلام میں خلل نہیں پڑتا۔	تالیف	الفت و محبت، دوستی، دل جوئی، جوڑنا

درس روحانی خزائن نمبر 71

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اپنی جماعت کو وصیت کروں اور یہ بات پہنچادوں آئندہ ہر ایک کا اختیار ہے کہ وہ اِسے سُنے یا نہ سُنے! اگر کوئی نجات چاہتا ہے اور حیات طیبہ یا ابدی زندگی کا طلبگار ہے، تو وہ اللہ کے لئے اپنی زندگی وقف کرے اور ہر ایک اس کوشش اور فکر میں لگ جاوے کہ وہ اس درجہ اور مرتبہ کو حاصل کرے کہ کہہ سکے کہ میری زندگی، میری موت، میری قربانیاں، میری نمازیں اللہ ہی کے لئے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کی طرح اس کی روح بول اٹھے۔ **اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ** (بقرہ:132) جب تک انسان خدا میں کھویا نہیں جاتا، خدا میں ہو کر نہیں مرتا وہ نئی زندگی پا نہیں سکتا۔

پس تم جو میرے ساتھ تعلق رکھتے ہو، تم دیکھتے ہو کہ خدا کے لئے زندگی کا وقف میں اپنی زندگی کی اصل غرض سمجھتا ہوں۔ پھر تم اپنے اندر دیکھو تم میں سے کتنے ہیں جو میرے اس فعل کو اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور خدا کے لئے زندگی وقف رکھنے کو **عزیز** رکھتے ہیں۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 370 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ	میں تمام جہانوں کے رب پر ایمان لایا	عزیز	محبوب، پیارا

درس روحانی خزائن نمبر 72

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

بلند ہمتی اور شجاعت: ''ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔ ہمت اخلاق فاضلہ میں سے ہے اور مومن بڑا بلند ہمت ہوتا ہے اور اسے ہر وقت خدا تعالیٰ کے دین کی نصرت اور تائید کے لئے تیار رہنا چاہیے اور کبھی بزدلی ظاہر نہ کرنی چاہیے۔ بزدلی منافق کا نشان ہے۔ مومن دلیر اور شجاع ہوتا ہے، مگر شجاعت سے یہ مراد نہیں ہے کہ اس میں موقعہ شناسی نہ ہو۔ موقعہ شناسی کے بغیر جو فعل کیا جاتا ہے۔ وہ تہوّر ہوتا ہے۔ مومن میں **شتاب کاری** نہیں ہوتی، بلکہ وہ نہایت ہوشیاری اور تحمل کے ساتھ نصرت دین کے لئے تیار رہتا ہے اور بزدل نہیں ہوتا۔ انسان سے کبھی ایسا فعل سرزد ہو جاتا ہے جو خدا تعالیٰ کو ناراض کر دیتا ہے اور کبھی خوش کر دیتا ہے۔ مثلاً اگر کسی سائل کو دھکا دیا تو وہ سختی کا موجب ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنے والا فعل ہوتا ہے، اس لئے اسے توفیق نہ ملے گی کہ وہ اسے کچھ دے سکے، لیکن اگر اس سے نرمی اور اخلاق سے پیش آئے گا، تو خواہ اسے پانی کا پیالہ ہی دیدے، تو وہ بھی ازالۂ قبض کا موجب ہو جائے گا۔

استغفار۔ قبض کا علاج: انسان پر قبض اور بسط کی حالت آتی رہتی ہے۔ بسط کی حالت میں ذوق اور شوق بڑھ جاتا ہے اور قلب میں ایک انشراح پیدا ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف توجہ بڑھ جاتی ہے۔ نمازوں میں لذت اور سرور پیدا ہوتا ہے، لیکن بعض وقت ایسی حالت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ کہ وہ ذوق اور شوق جاتا رہتا ہے اور دل میں ایک تنگی کی حالت ہو جاتی ہے۔ جب ایسی حالت ہو جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ کثرت کے ساتھ استغفار کرے اور پھر درود شریف بھی پڑھے۔ نماز بھی بار بار پڑھے۔ قبض کے دور ہونے کا یہی علاج ہے۔''

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 194، 195 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

تہوّر	بے موقع، بغیر سوچے سمجھے زور آزمائی/طاقت کا استعمال کرنا	**شتاب کاری**	جلد بازی

درس روحانی خزائن نمبر 73

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"**خدا تعالیٰ کے بندے کون ہیں؟** یہ وُہی لوگ ہیں جو اپنی زندگی کو جو اللہ تعالیٰ نے اُن کو دی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی کی راہ میں وقف کر دیتے ہیں اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں قربان کرنا، اپنے مال کو اُس کی راہ میں صرف کرنا اُس کا فضل اور اپنی **سعادت** سمجھتے ہیں، مگر جو لوگ دُنیا کی املاک و جائداد کو اپنا مقصود بالذات بنا لیتے ہیں، وہ ایک خوابیدہ نظر سے دین کو دیکھتے ہیں، مگر حقیقی مومن اور صادق مُسلمان کا یہ کام نہیں ہے۔ سچا اسلام یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی ساری طاقتوں اور قوتوں کو **مادام الحیات** وقف کر دے، تا کہ وہ حیاتِ طیبہ کا وارث ہو۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ اس للّٰہی وقف کی طرف **ایماء** کر کے فرماتا ہے۔ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (البقرہ:113) اس جگہ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ کے معنی یہی ہیں کہ ایک نیستی اور تذلّل کا لباس پہن کر آستانۂ الوہیت پر گرے اور اپنی جان، مال، آبرو غرض جو کچھ اس کے پاس ہے۔ خدا ہی کے لیے وقف کرے اور دُنیا اور اُس کی ساری چیزیں دین کی خادم بنا دے۔

حُصولِ دُنیا میں مقصود بالذات دین ہو: کوئی یہ نہ سمجھ لیوے کہ انسان دُنیا سے کچھ غرض اور واسطہ ہی نہ رکھے۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ دُنیا کے حصول سے منع کرتا ہے، بلکہ اسلام نے رہبانیت کو منع فرمایا ہے۔ یہ بزدلوں کا کام ہے۔ مومن کے تعلقات دُنیا کے ساتھ جس قدر وسیع ہوں وُہ اس کے مراتب عالیہ کا موجب ہوتے ہیں، کیونکہ اُس کا نصب العین دین ہوتا ہے اور دُنیا، اُس کا **مال وجاہ** دین کا خادم ہوتا ہے۔ پس اصل بات یہ ہے کہ دُنیا مقصود بالذات نہ ہو۔ بلکہ حصولِ دُنیا میں اصل غرض دین ہو اور ایسے طور پر دُنیا کو حاصل کیا جاوے کہ وہ دین کی خادم ہو۔ جیسے انسان کسی جگہ سے دُوسری جگہ جانے کے واسطے سفر کے لئے سواری اور زادِ راہ کو ساتھ لیتا ہے تو اس کی اصل غرض منزلِ مقصود پر پہنچنا ہوتا ہے نہ خود سواری اور راستہ کی ضروریات۔ اس طرح پر انسان دُنیا کو حاصل کرے مگر دین کا خادم سمجھ کر۔ اللہ تعالیٰ نے جو یہ دُعا تعلیم فرمائی ہے کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً (البقرہ:202) اس میں بھی دُنیا کو مقدم کیا ہے، لیکن کس دُنیا کو؟ حَسَنَةُ الدُّنْيَا کو جو آخرت میں حسنات کا موجب ہو جائے۔ اس دُعا کی تعلیم سے صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ مومن کو دُنیا کے حصول میں حَسَنَاتُ الْاٰخِرَةِ کا خیال

رکھنا چاہیے اور ساتھ ہی حَسَنَۃُ الدُّنْیَا کے لفظ میں ان تمام بہترین ذرائع حصول دنیا کا ذکر آ گیا ہے جو ایک مومن مسلمان کو حصول دُنیا کے لئے اختیار کرنے چاہئیں۔ دُنیا کو ہر ایسے طریق سے حاصل کرو۔ جس کے اختیار کرنے سے بھلائی اور خوبی ہی ہو۔ نہ وہ طریق جو کسی دوسرے بنی نوع انسان کی تکلیف رسائی کا موجب ہو۔ نہ ہم جنسوں میں کسی عاروشرم کا باعث۔ ایسی دنیا بے شک حَسَنَۃُ الْاٰخِرَۃِ کا مُوجب ہو گی۔

سُست نہ بنو: پس یاد رکھو کہ جو شخص خدا کے لئے زندگی وقف کر دیتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وُہ بے دست و پا ہو جاتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ بلکہ دین اور **للّٰہی وقف** انسان کو ہوشیار اور چابکدست بنا دیتا ہے۔ سُستی اور کسل اُس کے پاس نہیں آتا۔ حدیث میں عمار بن خزیمہ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے میرے باپ کو فرمایا کہ تجھے کس چیز نے اپنی زمین میں درخت لگانے سے منع کیا ہے تو میرے باپ نے جواب دیا کہ مَیں بڈھا ہوں۔ کل مر جاؤں گا۔ پس اُس کو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تجھ پر ضرور ہے کہ درخت لگائے۔ پھر میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ خود میرے باپ کے ساتھ مل کر ہماری زمین میں درخت لگاتے تھے اور ہمارے نبی کریم ﷺ ہمیشہ عجز اور کسل سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ مَیں پھر کہتا ہوں کہ سُست نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ حصولِ دنیا سے منع نہیں کرتا، بلکہ حَسَنَۃُ الدُّنْیَا کی دُعا تعلیم فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ انسان بے دست و پا ہو کر بیٹھ رہے بلکہ اُس نے صاف فرمایا ہے لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (النجم:40) اس لیے مومن کو چاہیے کہ وہ جدوجہد سے کام کرے، لیکن جس قدر مرتبہ مجھ سے ممکن ہے یہی کہوں گا کہ دنیا کو مقصود بالذات نہ بنالو۔ دین کو مقصود بالذات ٹھہراؤ اور دُنیا اس کے لئے بطور خادم اور مَرْکَبْ کے ہو۔ دولت مندوں سے بسا اوقات ایسے کام ہوتے ہیں کہ غریبوں اور مُفلسوں کو وہ موقع نہیں ملتا۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 364،365 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

سعادت	خوش بختی	مادام الحیات	جب تک زندگی ہے
ایماء	اشارہ	جاہ	مقام و مرتبہ، شان
عاروشرم	بے عزتی	للّٰہی وقف	اللہ کی خاطر وقف، قربان کرنا
مَرْکَبْ	سواری		

درس روحانی خزائن نمبر74

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

والدہ کی خدمت: ’’پہلی حالت انسان کی نیک بختی کی ہے کہ وہ والدہ کی عزت کرے۔ اویسؓ قرنی کے لئے بسا اوقات رسول اللہ ﷺ یمن کی طرف کو منہ کرکے کہا کرتے تھے کہ مجھے یمن کی طرف سے خدا کی خوشبو آتی ہے۔ آپؐ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ وہ اپنی والدہ کی فرمانبرداری میں بہت مصروف رہتا ہے اور اسی وجہ سے میرے پاس بھی نہیں آسکتا۔ بظاہر یہ بات ایسی ہے کہ پیغمبر ﷺ موجود ہیں، مگر وہ ان کی زیارت نہیں کر سکتے۔ صرف اپنی والدہ کی خدمت گزاری اور فرمانبرداری میں پوری مصروفیت کی وجہ سے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے دو ہی آدمیوں کو السلام علیکم کی خصوصیت سے وصیت فرمائی۔ یا اویسؓ کو یا مسیحؑ کو۔

یہ ایک عجیب بات ہے، جو دوسرے لوگوں کو ایک خصوصیت کے ساتھ نہیں ملی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب حضرت عمرؓ ان سے ملنے گئے، تو اویس نے فرمایا کہ والدہ کی خدمت میں مصروف رہتا ہوں اور میرے اونٹوں کو فرشتے چرایا کرتے ہیں۔ ایک تو یہ لوگ ہیں جنہوں نے والدہ کی خدمت میں اس قدر سعی کی اور پھر یہ قبولیت اور عزت پائی۔ ایک وہ ہیں جو پیسہ پیسہ کے لئے مقدمات کرتے ہیں اور والدہ کا نام ایسی بری طرح لیتے ہیں کہ **رذیل** قومیں چوہڑے چمار بھی کم لیتے ہوں گے۔ ہماری تعلیم کیا ہے؟ صرف اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی پاک ہدایت کا بتلا دینا ہے۔ اگر کوئی میرے ساتھ تعلق ظاہر کرکے اس کو ماننا نہیں چاہتا، تو وہ ہماری جماعت میں کیوں داخل ہوتا ہے؟ ایسے نمونے سے دوسروں کو ٹھوکر لگتی ہے اور وہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایسے لوگ ہیں جو ماں باپ تک کی بھی عزت نہیں کرتے۔

مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا منہ نہ دیکھیں گے: میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ مادر پدر آزاد کبھی خیر و برکت کا منہ نہ دیکھیں گے۔ پس نیک نیتی کے ساتھ اور پوری اطاعت اور وفاداری کے رنگ میں رسولِ خدا کے فرمودہ پر عمل کرنے کو تیار ہو

جاؤ۔ بہتری اسی میں ہے۔ ورنہ اختیار ہے۔ ہمارا کام صرف نصیحت کرنا ہے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 195،196 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

سعی	کوشش	رذیل	حقیر، ذلیل، کمینہ

درس روحانی خزائن نمبر 75

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"انصافاً دیکھا جاوے کہ ہمارے ہادیٔ اکملؐ کے صحابہؓ نے اپنے خدا اور رسول کے لئے کیا کیا جان نثاریاں کیں۔ جلاوطن ہوئے، ظلم اٹھائے، طرح طرح کے مصائب برداشت کیے، جانیں دیں۔ لیکن صدق ووفا کے ساتھ قدم مارتے ہی گئے۔ پس وہ کیا بات تھی کہ جس نے انہیں ایسا جاں نثار بنا دیا۔وہ سچی الٰہی محبت جوش تھا۔ جس کی شعاع ان کے دل میں پڑ چکی تھی، اس لئے خواہ کسی نبی کے ساتھ مقابلہ کر لیا جاوے۔ آپ کی تعلیم تزکیہ نفس اپنے پیروؤں کو دنیا سے متنفر کرا دینا۔ شجاعت کے ساتھ صداقت کے لئے خون بہا دینا۔اس کی نظیر کہیں نہ مل سکے گی۔ یہ مقام آنحضرت ﷺ کے صحابہؓ کا ہے اور ان میں جو باہمی الفت و محبت تھی۔اس کا نقشہ دو فقروں میں بیان فرما ہے وَ اَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَیۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ (الانفال:64) یعنی جو تالیف ان میں ہے وہ ہر گز پیدا نہ ہوتی، خواہ سونے کا پہاڑ بھی دیا جاتا۔ اب ایک اور جماعت مسیح موعودؑ کی ہے جس نے اپنے اندر صحابہؓ کا رنگ پیدا کرنا ہے۔

صحابہؓ کی تو وہ پاک جماعت تھی۔ جس کی تعریف میں قرآن شریف بھرا پڑا ہے۔ کیا آپ لوگ ایسے ہیں؟ جب خدا کہتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کے ساتھ وہ لوگ ہوں گے، جو صحابہؓ کے **دوش بدوش** ہوں گے۔ صحابہؓ تو وہ تھے جنہوں نے اپنا مال، اپنا وطن راہ حق میں دیدیا اور سب کچھ چھوڑ دیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا معاملہ اکثر سنا ہو گا۔ ایک دفعہ جب راہ خدا میں مال دینے کا حکم ہوا، تو گھر کا کل **اثاثہ** لے آئے۔ جب رسول کریم ﷺ نے دریافت کیا کہ گھر میں کیا چھوڑ آئے، تو فرمایا کہ خدا اور رسول کو گھر چھوڑ آیا ہوں۔ رئیس مکہ ہو اور کمبل پوش، غرباء کا لباس پہنے۔ یہ سمجھ لو کہ وہ لوگ تو خدا کی راہ میں شہید ہو گئے۔"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 27 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

دوش بدوش	ساتھ ساتھ	اثاثہ	مال و متاع، جمع پونجی، سرمایہ

درس روحانی خزائن نمبر76

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

ایمان کی قوت: ’’خدا کی راہ میں سختی کا برداشت کرنا۔ مصائب اور مشکلات کے جھیلنے کے لئے ہمہ تن تیار ہو جانا ایمانی تحریک ہی سے ہوتا ہے۔ ایمان ایک قوت ہے۔ جو سچی شجاعت اور ہمت انسان کو عطا کرتا ہے۔ اس کا نمونہ صحابہ کرامؓ رضوان اللہ اجمعین کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ جب وہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے ساتھ ہوئے، تو وہ کونسی بات تھی کہ اس طرح پر ایک بیکس ناتواں انسان کے ساتھ ہو جانے سے ہم کو کوئی ثواب ملے گا۔ ظاہری آنکھ تو اس کے سوا کچھ نہ دکھاتی تھی کہ اس ایک کے ساتھ ہونے سے ساری قوموں کو اپنا دشمن بنالیا ہے۔ جس کا نتیجہ صریح یہ معلوم ہوتا تھا کہ مصائب اور مشکلات کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑے گا اور وہ چکنا چور کر ڈالے گا، اسی طرح پر ہم ضائع ہو جائیں گے۔ مگر کوئی اور آنکھ بھی تھی جس نے ان مصائب اور مشکلات کو ہیچ سمجھا تھا اور اس راہ میں مر جانا اس کی نگاہ میں ایک راحت اور سرور کا موجب تھا۔ اس نے وہ کچھ دیکھا تھا جو ان ظاہر بین آنکھوں کے نظارہ سے نہاں در نہاں اور بہت ہی دور تھا۔ وہ ایمانی آنکھ تھی اور ایمانی قوت تھی جو ان ساری تکلیفوں اور دکھوں کو بالکل ہیچ دکھاتی تھی۔ آخر ایمان ہی غالب آیا اور ایمان نے وہ کرشمہ دکھایا کہ جس پر ہنستے تھے۔ جس کو ناتواں اور بیکس کہتے تھے۔ اس نے اس ایمان کے ذریعہ سے ان کو کہاں پہنچا دیا۔ وہ ثواب اور اجر جو پہلے مخفی تھا۔ پھر ایسا آشکارا ہوا کہ اس کو دنیا نے دیکھا اور محسوس کیا کہ ہاں یہ اسی کا ثمرہ ہے۔ ایمان کی بدولت وہ جماعت صحابہؓ کی نہ تھکی اور نہ ماندہ ہوئی۔ بلکہ قوت ایمانی کی تحریک سے بڑے بڑے عظیم الشان کام دکھائے۔ اور پھر بھی کہا تو یہی کہا کہ جو حق کرنے کا تھا نہیں کیا۔ ایمان نے ان کو وہ قوت عطا کی کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں سر کا دینا اور جانوں کا قربان کر دینا ایک ادنیٰ سی بات تھی اور اہل اسلام نے جب کہ ابھی کوئی بین نتائج نظر نہ آتے تھے۔

دیکھو! کس قدر مسلمانوں نے دشمنوں کے ہاتھوں سے کیسی کیسی تکلیفیں اور مصیبتیں محض لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کہنے کے بدلے برداشت کیں۔

ایک وہ زمانہ تھا کہ سر دینا کوئی بری بات نہ تھی اور یا ایک یہ زمانہ ہے کہ باوجود اس کے
کے مخالف اس قسم کی اذیتیں نہیں دیتے۔ایک عادل گورنمنٹ کے سائے میں رہتے ہیں۔
سلطنت کسی قسم کا **تعرض** نہیں کرتی۔علوم دین حاصل کرنے کے پورے سامان میسر ہیں۔
ارکان مذہبی ادا کرنے میں کوئی تکلیف نہیں ہے۔ایک سجدہ کا کرنا **بار گراں** معلوم ہوتا ہے۔"
(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 406،407 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

تعرض	مخالفت، مزاحمت	بار گراں	ناگوار بوجھ، بھاری بوجھ

درس روحانی خزائن نمبر 77

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام بیان کرتے ہیں:۔

صُلح کی دعوت: ’’ہم تیار ہیں کہ ہمارے مخالف ہمارے ساتھ صُلح کر لیں۔ میرے پاس ایک تھیلہ اُن گالیوں سے بھرے ہوئے کاغذات کا پڑا ہے۔ ایک نیا کاغذ آیا تھا۔ وہ بھی آج مَیں نے اس میں داخل کر دیا ہے۔ مگر ان سب کو ہم جانے دیتے ہیں۔ اپنی جماعت کے ساتھ اگرچہ میری ہمدردی خاص ہے۔ مگر مَیں سب کے ساتھ ہمدردی کرتا ہوں اور مخالفین کے ساتھ بھی میری ہمدردی ہے۔ جیسا کہ ایک حکیم **تریاق** کا پیالہ مریض کو دیتا ہے کہ وہ شفا پاوے، مگر مریض غصہ میں آکر اس پیالہ کو توڑ دیتا ہے۔ تو حکیم اس پر افسوس کرتا ہے اور رحم کرتا ہے۔ ہمارے قلم سے مخالف کے حق میں جو کچھ الفاظ سخت نکلتے ہیں۔ وہ محض نیک نیتی سے نکلتے ہیں۔ جیسے ماں بچہ کو کبھی سخت الفاظ بولتی ہے، مگر اس کا دل درد سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ صادق اور کاذب کا معاملہ خدا کے نزدیک ایک نہیں ہوتا۔ خدا جس کو محبت کے ساتھ دیکھتا ہے۔ اس کے ساتھ اور دُوسروں کے ساتھ اس کا ایک سلوک نہیں ہوتا۔ کیا سب کے ساتھ اس کا معاملہ ایک ہی رنگ کا ہے۔

مخالفین ہم سے صُلح کر لیں۔ مِلنا جُلنا شروع کر دیں۔ بے شک اپنے **اعتقاد** پر رہیں۔ ملاقات سے اصلی حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ امرتسر کے بعض مخالف سمجھتے ہیں کہ ہم خدا کے مُنکر ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ ایسی بدظنی کا سبب یہی ہے کہ وُہ ہم سے بالکل الگ ہو گئے ہیں۔ اس قسم کا **انقطاع** تو کمزور لوگ کرتے ہیں کہ بالکل الگ ہو جائیں۔ **اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی** تم ہم سے ڈرتے ہو۔ اگر ہم حقیر ہیں تو تم ہم پر غالب آجاؤ گے۔ اگر صُلح بھی نہیں کرتے، تو پھر مقابلہ میں آنا چاہیے۔ مقابلہ کے وقت خدا صادق کی مدد کرتا ہے۔ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ (مجادلہ:22)

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 454، 455 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

تریاق	زہر کی دوا	اعتقاد	یقین، ایمان
انقطاع	کٹنا، الگ ہونا	اَلْحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلٰی	حق غالب آتا ہے اور اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا

درس روحانی خزائن نمبر78

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیان فرماتے ہیں:۔

"عبادت محبت ہی کا دوسرا نام ہے: اگر اسلام کی عزت کے لئے دل میں محبت نہیں ہے، تو عبادت بھی بے سُود ہے، کیونکہ عبادت محبت ہی کا دوسرا نام ہے۔ وہ تمام لوگ جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی ایسی چیز کی عبادت کرتے ہیں جس پر کوئی سلطان نازل نہیں ہوا، وہ سب مشرک ہیں۔ سلطان تسلط سے لیا گیا ہے جو دل پر تسلط کرے اس لیے یہاں دلیل کا لفظ نہیں لکھا ہے۔ عبادت کیا ہے۔ جب انتہا درجہ کی محبت کرتا ہے۔ جب انتہا درجہ کی اُمید ہو۔ انتہا درجہ کا خوف ہو۔ یہ سب عبادت میں داخل ہے۔ غیر اللہ کی عبادت کا اتنا ہی مفہوم نہیں ہے کہ سجدہ نہ کیا جاوے۔ نہیں۔ بلکہ اُس کے مختلف مدارج ہیں۔ اگر کوئی مال سے انتہاء درجہ کی محبت کرتا ہے تو وہ اس کا بندہ ہوتا ہے خدا کا بندہ وہ ہے جو خدا کے سوا اور چیزوں کی حدِاعتدال تک رعایت کرتا ہے۔ اسلام میں محبت واُمید منع نہیں ہے، مگر ایک حد تک۔ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر فرمادیا ہے کہ جو خدا سے محبت کرتے ہیں۔ اُسی سے ڈرتے اسی سے اُمید رکھتے ہیں۔ وُہ ایک سلطان رکھتے ہیں، لیکن جو نفس کے تابع ہوتے ہیں۔ ان کے پاس کوئی سلطان نہیں ہے۔ جو محکم طور پر دل کو پکڑے۔

غرض انسان کا کوئی فعل اور قول ہو جب تک وہ خدائی سلطان کا پیرو نہ ہو۔ شرک کرتا ہے۔ پس ہم جو اپنی کاروائی کی دو طور پر اشاعت چاہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی شاہد نہیں ہو سکتا کہ کس قدر سچے جوش اور خالصۃً للہ اس کو پیش کرتے ہیں۔ ہمیں اتفاق نہیں ہوا کہ انگریزی میں لکھ پڑھ سکتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم کبھی بھی اپنے دوستوں کو تکلیف نہ دیتے، مگر اس میں مصلحت یہ تھی کہ تا دوسروں کو ثواب کے لیے بلائیں، ورنہ میری طبیعت تو ایسی واقع ہوئی ہے کہ جو کام مَیں خود کر سکتا ہوں۔ اُس کے لئے کسی دوسرے کو کبھی کہتا ہی نہیں۔ اگر آنحضرت ﷺ اور چار برس زندگی پاتے تو ابو بکر رضی اللہ عنہ فوت ہو جاتے۔ دراصل آنحضرت ﷺ وہ فتح عظیم جس کا آپؐ کے ساتھ وعدہ تھا، حاصل کر چکے تھے رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا (النصر:3) دیکھ چکے تھے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ (المائدہ:4) ہو چکا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا کہ اُن کو محروم رکھے، بلکہ یہی چاہا کہ اُن کو بھی ثواب میں داخل کر دے۔ اسی طرح پر اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم کو اس قدر خزانے دے دیتا کہ ہم کو پروا بھی نہ رہتی۔

مگر خدا ثواب میں داخل کرتا ہے، جس کو وہ چاہتا ہے۔ یہ سب جو بیٹھے ہیں یہ قبریں ہی سمجھو، کیونکہ آخر مرنا ہے۔ پس ثواب حاصل کرنے کا وقت ہے۔ مَیں ان باتوں کو جو خُدا نے میرے دل پر ڈالی ہیں۔ سادہ اور صاف الفاظ میں ڈالنا چاہتا ہوں۔ اس وقت ثواب کے لیے مستعد ہو جاؤ اور یہ بھی مت سمجھو کہ اگر اس راہ میں خرچ کریں گے، تو کچھ کم ہو جاوے گا۔ خدا تعالیٰ کی بارش کی طرح سب کمیاں پوری ہو جائیں گی۔ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ (الزلزال:8)"

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 477،478 مطبوعہ ربوہ)

مشکل الفاظ اور ان کے معانی:

بے سُود	بے فائدہ		